اکادمی ادبیات پاکستان
پاکستانی ادب کے معمار
افضل پرویز: شخصیت اور فن
راجا شکیل انجم

پاکستانی ادب کے معمار

افضل پرویز
شخصیت اور فن

راجا شکیل انجم

اکادمی ادبیات پاکستان

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے:

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

نگرانِ اعلیٰ	فخر زمان
منتظم	محمد عاصم بٹ
تدوین و طباعت	سعیدہ درانی
اشاعت	2010
تعداد	500
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	ماریہ پرنٹرز پریس، اسلام آباد
قیمت	مجلد: -/180 روپے غیر مجلد: 170 روپے

ISBN: 978-969-472-195-8

Pakistani Adab Ke Mamar

" Afzal Parvez : Shakhseyat our Fun"

Compiled By

Raja Shakil Anjum

Publisher

Pakistan Academy of Letters

Islamabad,Pakistan

فہرست

پیش نامہ

پاکستانی زبانوں میں ہمارے مشاہیر نے پاکستانی ادب کے حوالے سے جو کام کیا ہے کسی بھی بین الاقوامی ادب کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔اکادمی ادبیات پاکستان نے ان مشاہیر کے علمی وادبی کام اور اُن کی حیات کے بارے میں معلومات کو کتابی صورت میں لانے کے لیے پاکستانی ادب کے معمار کے نام سے اشاعتی منصوبہ شروع کیا ہے جس کے تحت پاکستانی زبانوں کے مشاہیر پر کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔

افضل پرویز ہماری ادبی تاریخ کا بہت اہم اور انتہائی لائق توجہ باب ہیں۔ان کو پنجابی اوراردوزبان پر یکساں عبور حاصل تھا۔وہ پنجابی اوراردوزبان کے مقبول شاعر شمار کیے جاتے ہیں. غزل روایت کی پاسداری، روحِ عصر کی ترجمانی اور اسلوب و آہنگ شعر کے سبب وہ پاکستانی شاعری کے عصری منظر نامے میں بہت نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔انہوں نے اپنی شاعری میں بنیادی آفاقی انسانی قدروں کی ترجمانی کی ہے۔

اس اشاعتی منصوبے کی پیش نظر کتاب ''افضل پرویز: شخصیت اورفن'' اکادمی ادبیات پاکستان کی درخواست پر معروف محقق راجا شکیل انجم صاحب نے تالیف کی ہے۔اس کتاب سے یقیناً اہل ادب اور عام قاری، افضل پرویز کی شخصیت اورفن سے بہتر طور پرآگاہ ہوسکیں گے۔

یہ کتاب افضل پرویز کے بارے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت کی حامل ہے۔امید ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کے اشاعتی منصوبے ''پاکستانی ادب کے معمار'' سلسلے کی کتاب ''افضل پرویز: شخصیت اورفن'' کوملک اور بیرون ملک یقیناً پسند کیا جائے گا۔

فخر زمان

پیش لفظ

پوٹھوہاری ثقافت کے انسائیکلوپیڈیا افضل پرویزؔ کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ سراپا فنونِ لطیفہ افضل پرویزؔ مختلف علوم و فنون، کھیلوں اور زبانوں کے ماہر تھے۔ خاکسار تحریک اور ترقی پسند تحریک سے بھی گہری وابستگی تھی اور رومانیت کے سحر میں بھی گرفتار تھے۔ سیر و شکار کے شائق اور انسان دوست اور خصوصاً عوام دوست بھی تھے۔ یہ وسعتِ مطالعہ، مشاہدے کی گہرائی اور تفکر و تدبر اُن کی تحریروں کو فکری، علمی اور نظریاتی تعمق عطا کر دیتا ہے اور شعروادب میں یہ انفرادی مقام افضل پرویزؔ کی ہمہ پہلو شخصیت ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ صدیوں پہلے کہیں حضرت امیر خسروؔ کا معتبر نام شعروادب اور مختلف علوم و فنون کے ایوانوں میں اس سج دھج کے ساتھ براجمان دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افضل پرویزؔ نے ایک متنوع الجہات شخصیت پروان چڑھا کر اردو، پنجابی شعروادب کو عطا کر دی ہے۔ جس کے سارے رنگ کہیں انفرادی اور کہیں امتزاجی سطح پر شعروادب کو اک نئی شان عطا کر دیتے ہیں۔

افضل پرویزؔ کی نظم ہو یا نثر، لوک شعروادب کی حرارت اور تڑپ ہر تحریر سے واضح ہے۔ اُنہوں نے اردو ادب کی شعری اور نثری روایت میں ترقی پسندانہ حقیقی عوامی خیالات، پوٹھوہار کے درد اور لوک گیت کے رس کا اضافہ کیا اور شاعری کی اُس روایت کو آگے بڑھایا جس کا آغاز حسرتؔ سے ہوا اور جسے فیضؔ نے بامِ عروج تک پہنچایا۔ اُن کی غزل کلاسیکیت اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہے اور اس میں لوک گیت، موسیقی اور مصوری کے رنگ بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے غزل کو وسیع ذخیرۂ الفاظ بھی دیا ہے۔ نظم میں ترقی پسندانہ نظریات و افکار کو ڈرامائی اور افسانوی

انداز میں پیش کرنے کا رجحان نمایاں ہے اور دوہے میں شخصیت اور فکر وفن کی داخلی وخارجی پرتوں کو انتہائی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ نثر میں وہ لوک ادب کے محقق کی حیثیت سے ہی نمایاں ہے لیکن تحقیق میں تخلیق کے سارے رنگ جلوہ گر ہیں۔ تحقیق وتنقید میں اُن کی شخصیت کے جوہر پوری طرح کھلتے ہیں اور عوام کے دل کی دھڑکن بھی نمایاں ہے۔ وہ ہر قسم کے ابہام سے پاک نہایت سادہ، سلیس اور رواں نثر لکھتے ہیں اور اس میں شخصی، واستانوی طلسماتی اور علمی تینوں رنگ جھلکتے ہیں اور لفظ کے تخلیقی استعمال میں مہارت اور قدرت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے ــــ ان خوبیوں کو دیکھ کر اُن کی بے پایاں ادبی خدمات کا بلا تامّل اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

راجاشکیل انجم

سوانحی خاکہ

نام

محمد افضل بن مولانا محمد کیچ مکرانی بن قاضی محمد قاسم بن قاضی حاجی روح اللہ۔(۱)

قلمی نام

افضل پرویز
عبدالحمید عدم کی تحریک پر پہلی طرحی غزل کہی اور عدم صاحب نے پرویز تخلص رکھا۔اُس وقت آپ نویں جماعت کے طالب علم تھے۔(۲)

خاندان

آپ کا تعلق قاضی خاندان سے ہے۔آپ نسلاً قریشی ہیں اور آپ کا شجرۂ نسب حضرت خالدؓ بن ولید سے جا ملتا ہے۔(۳)

میں بھی قریشی تو بھی قریشی میں شاہد تو چور (۴)

آبائی وطن

پردادا قاضی حاجی روح اللہ، یمن کے قاضی القضاۃ ہجرت کر کے بلوچستان کی ریاست مکران میں رہائش پذیر ہوئے۔(۵) دادا قاضی محمد قاسم ریاست مکران کے قاضی القضاۃ تھے اور وہاں

اُن کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔(۶)

والد کی وفات کے بعد مولانا محمد نے مکران سے ۱۸۶۵ء میں ہجرت کی اور ہمیشہ کے لیے کمیٹی چوک، راول پنڈی میں سکونت اختیار کر لی۔

والد

ابوتراب مولانا محمد کیچ مکرانی بہت بڑے عالم دین، طبیب اور محدث تھے۔ فلسفہ، منطق اور فقہ پر بھی عبور حاصل تھا۔ عربی فارسی اور بلوچی کے علاوہ پوٹھوہاری زبان پر بھی قدرت حاصل تھی۔(۷)

راول پنڈی کے بہت سے نامی گرامی ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ پورے پنجاب میں خطابت مشہور تھی۔ ۱۹۰۰ء میں ۳۵ صفحات کا دینی رسالہ ''شہاب ثاقب'' تحریر کیا۔

مرکزی جامع مسجد راول پنڈی ۱۹۰۵ء کے پیش امام مقرر کیے گئے اور ۳۵ سال تک بغیر تنخواہ کے خدمات انجام دیں۔ گھر کے اخراجات مطب سے پورے کرتے تھے۔ اسلامیہ سکول نمبر ۱ میں فارسی کے اُستاد بھی رہے اور عربی فارسی ٹیوشن بھی پڑھائی۔ ۱۵ مارچ ۱۹۴۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔(۸)

والدہ

والدہ ماجدہ کا نام رحمت جان تھا۔

والدہ صاحبہ بہت روشن خیال خاتون تھیں۔ مذہب سے اُنھیں گہرا لگاؤ تھا۔ وہ باقاعدہ تلاوت کلام پاک کیا کرتی تھیں۔ اردو زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ مسئلے مسائل کی کتابیں پڑھتی رہتیں۔ مطالعے کا بہت شوق تھا۔ وہ سیف الملوک اور ہیر وارث شاہ قرآن کی طرح پڑھتی تھیں۔(۹)

۱۹۶۹ء آخری روزے کی افطاری کے بعد سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ عید کے دن نماز جنازہ

پڑھی گئی۔ افضل پرویز اُس وقت ۵۴ سال کے تھے۔ (۱۰)

ننھیال

ننھیال کا شمار راول پنڈی کے نام ور علمی و ادبی گھرانوں میں ہوتا تھا اور یہ خاندان بہت بااثر بھی تھا۔ افضل پرویز کے نانا قاضی عبدالاحد خانپوری تو بہت بڑے محدث اور طبیب تھے۔ افضل پرویز کے والد گرامی نے اُنہیں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ (۱۱)

تاریخ پیدائش

۸ مارچ ۱۹۱۵ء راول پنڈی۔ (۱۲)

سرکاری کاغذات میں تاریخ پیدائش ۲ مارچ ۱۹۱۷ء درج ہے۔ اسی طرح فاروق امجد پرویز نے ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء لکھی ہے۔ بقول تایا جان (انجم رضوانی) (۱۳)

بہن بھائی

۱۔ قاضی احمد دین قلمی نام انجم رضوانی (معروف شاعر، مجموعے: ''پارہ پارہ''، ''انجمستان'')
۲۔ قاضی عبدالحمید (مصور)
۳۔ قاضی محمود سلطان (شہید) جنوری ۱۹۳۱ء
۴۔ مریم جان (غالبہ خاتون المعروف مریم جان)
۵۔ رقیہ جان

تعلیم

۱۹۳۲ء میں اسلامیہ ہائی سکول نمبر ۱ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ (۱۴)

ابتدائی پرورش

افضل پرویز نے والد ماجد کی زیرِ نگرانی قرآن پاک حفظ کیا اور ماہ رمضان میں قرآن پاک سنانے کی سعادت بھی حاصل کی اور درس نظامی بھی مکمل کیا۔(۱۵) عربی، فارسی والد صاحب سے سیکھی۔ یوں گلستان و بوستان سے آشنا ہوئے۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ پنجابی ادب خصوصاً ''سیف الملوک'' اور ''ہیر وارث'' کی لوریوں میں پرورش پائی۔

گرد و پیش کا ماحول

ارضی جغرافیہ اور اردگرد کی ماحولیاتی فضا بھی ذہنی نشوونما اور تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

> ''جس گلی میں ہم رہتے تھے اُس گلی سے باہر نکلتے ہی کھیت نظر آتے تھے جن میں کاشت کار ہل چلا رہے ہوتے تھے۔ میں اس فضا سے بچپن ہی سے متاثر ہوں اور میں نے زندگی میں جو پہلا گانا سنا اور جس سے میں متاثر ہوا وہ ''ماہیا'' تھا جو ایک کاشت کار ہل چلاتے ہوئے گا رہا تھا۔ یہ ماہیا بچپن سے آج تک مجھے مسحور کیے ہوئے ہے۔''(۱۶)

کیلی چوک کی شہری دیہاتی فضا افضل پرویز کے فکروفن کی تعمیروتشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور پھر دیہاتی زندگی، کھیتوں کی ہریالی اور سرسوں کے پھول ہمیشہ کے لیے اُسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیتے ہیں۔

افضل پرویز کا بچپن سوانگ کے عروج کا دور تھا۔ گلی گلی محلہ محلہ سوانگی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ اس طلسماتی فضا سے ننھا افو بے حد متاثر ہوا۔ آج بھی سوانگ دیکھ کر افضل پرویز کے اندر کا افو مچل اٹھتا ہے وہ افو جو بچپن ہی سے اس طلسماتی فضا کا اسیر ہے۔(۱۷) ''لوک تھیٹر'' کے آغاز'' تھیٹر زار'' میں بھی ان اثرات کا اعتراف کیا ہے۔(۱۸)

افضل پرویز نے جب ہوش سنبھالا اُس وقت راول پنڈی شہر طرحی مشاعروں کا مرکز تھا اور اُن کے گھر میں بھی اردو پنجابی مشاعرے ہوتے تھے۔

"ہمارے گھر انجستان میں بڑے بھائی انجم رضوانی کے اہتمام سے گھریلو مشاعرے ہوا کرتے تھے جن میں اُس وقت کے مشہور شاعر شریک ہوا کرتے تھے۔ہم چھوٹے بھائی اُن کی خدمت پر مامور ہوتے تھے۔حقہ بھرنا، چائے پانی پلانا ہمارا کام تھا۔" (۱۹)

ابتدائی پرورش اور گردوپیش کے اس ماحول نے افضل پرویز کے فکروفن کو خوب جلا بخشی۔

ملازمت

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک رائل سروس گوراپلٹن میں ملازم رہے۔دوسری جنگ عظیم کے دوران کے محاذ بیرک پور رہے:

"جنگ کے دوران ہمارا کام ہیڈفون کے ذریعے جاپانیوں کی بات چیت کو Intercept کرنا اور موسکورز میں لکھنا تھا، آفیسر ہم سے Interception لیتے اور آگے انٹیلی جنس کو دے دیتے۔ دو جاپانی ایسے تھے جن کی Correspondence کوئی نوٹ نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اور سید عابد علی کے چھوٹے بھائی جواد نے یہ کام کردکھایا جس پر ہمیں Efficiency اضافی تنخواہ ملی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی دلی آمد پر اُس سے ملاقات بھی کروائی گئی، تحفے بھی دیے گئے لیکن میں نے نہیں لیا۔" (۲۰)

"۱۹۴۵ء میں مجھے کنگ کمیشن کے لیے کال (Call) کیا گیا لیکن مجھے فوجی ملازمت سے نفرت ہوگئی تھی، میں نہیں گیا۔" (۲۱)

کچھ عرصہ راشننگ کے محکمہ میں بطور کلرک کام کیا۔ پہلے صدر پھر کمیٹی چوک میں اس کا دفتر تھا۔ لیکن ترقی پسندی کے زیر اثر لکھی گئی پہلی پنجابی نظم "الاصحاں" (جو انہوں نے مزدوروں کے جلسے

میں پڑھی) کی وجہ سے ملازمت سے فارغ کر دیے گئے۔ (اس دوران انہوں نے سینما بورڈ لکھے، نو آنے دیہاڑی پہ مزدوری کی، سگریٹ پان کا کھوکھا کمیٹی چوک میں چلایا، بھابڑا بازار میں مصوری کی دکان اور آٹے کی ایک چکی پر بحیثیت منشی بھی کام کیا۔(۲۲) ان تکلیف دہ حالات میں" جواد کو پتہ چلا کہ میں مایوس ہو چکا ہوں اور میں نے مایوسی میں سینما بورڈ لکھنے شروع کر دیے ہیں۔ جواد نے مجھے برما کے محاذ پر گائے جانے والے گیتوں کی یاد دلا کر ریڈیو جانے کی ترغیب دی میں جانا نہیں چاہتا تھا، وہ جبراً لے گیا۔" (۲۳)

افضل پرویز کا ریڈیو پاکستان راول پنڈی سے تعلق ۱۹۵۲ء سے ۱۹۸۴ء تک تقریباً ۳۲ سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران انہوں نے لوک گیت گائے، کلاسیکی موسیقی میں نام پیدا کیا۔ سینکڑوں فیچرز لکھے، پوٹھوہاری پروگرام" جمہور نی واز" میں چوہدری کی حیثیت سے کمپئرنگ کی۔ اُن کے فیچرز "گراں نی وسنی" "ماڈرن دوسا"، "پنج کونسلی" ،"چار گرائیں" اور Stock Charracter دوسا (محمد صدیق) اور نیک بختی (نگہت اقبال) بہت مقبول رہے ہیں۔

"میں آل راؤنڈر اناؤنسر تھا۔ اردو، پنجابی ڈراموں کے علاوہ سینکڑوں فیچر اور لوک گیت ریڈیو کے لیے لکھے اور میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۸۴ء تک ریڈیو پر چھایا رہا۔ (۲۴)

بقول عطا حسین کلیم:

"افضل پرویز ریڈیو کی جان رہے ہیں۔ اُنہوں نے ریڈیو پاکستان کی بہت خدمت کی۔" (۲۵)

ریڈیو پاکستان راول پنڈی۔ پہلا دن

"جواد نے ریڈیو اسٹیشن لے جا کر میرا تعارف یوں کرایا: یہ میرا دوست افضل پرویز ہے، بہت اچھا گا تیک ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا: اتھے لوک گیت ہوندے نے" میں نے کہا: "جتھے لوک ہوندے نے اُتھے لوک گیت وی ہوندے نے۔" میری اس بات پہ پروڈیوسر بہت خوش ہوا۔

مختار صدیقی اور ممتاز مفتی سے بھی ملاقات ہوئی۔ میں چوں کہ بلیک لسٹ تھا اس لیے ڈر تھا لیکن عطا حسین کلیم پروڈیوسر تھے انہوں نے میرا نام نکال دیا۔ میرا پہلا پروگرام ایک میوزکل فیچر ''ٹوٹ گئے دینا کے تار'' تھا جو میں نے اور رشید عطرے نے مل کر تیار کیا تھا۔ اس کے بعد میں ریڈیو سے مستقل طور پر وابستہ ہو گیا۔ ۱۹۸۴ء میں خود ہی چھوڑ دیا کیوں کہ سارا دن شام کو جانے کی Tension رہتی تھی۔'' (۲۶)

۱۹۴۸ء سے ہی آزاد صحافی کی حیثیت سے مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین اور فیچر لکھتے رہتے تھے لیکن ۱۹۵۸ء کو ایک مقامی اخبار ''ناقوس'' میں باقاعدہ ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۵۹ء میں روزنامہ ''جنگ'' راول پنڈی سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۸۸ء تک بحیثیت سٹاف رپورٹر، کرائمز رپورٹر، فیچر رپورٹر اور سب ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد Contract Base پر تقریباً سولہ سال تک روزنامہ ''جنگ'' کے لیے ہر بدھ کو کالم ''ثقافت بیتی'' بھی لکھتے رہے۔ اس کالم میں راول پنڈی، اسلام آباد اور گردونواح میں ہونے والی ثقافتی اور تہذیبی سرگرمیوں پر تبصرہ ہوتا تھا۔

شادی

ستمبر ۱۹۳۸ء کو رضیہ پرویز سے شادی والدین کی مکمل رضا سے ہوئی تھی:

''اٹھارہ یا انیس سال کی عمر میں میرا نکاح ہوا اور دس سال بعد رخصتی قرار پائی۔ میری بیوی کے والد (خان عبدالغنی خان ''ناہید خان بینظیر بھٹو شہید کی پولیٹیکل سیکرٹری'' کے دادا) ۱۹۲۳ء میں طاعون کی وباء میں فوت ہو چکے تھے۔ اُنکے خاندان میں عبدالمجید خان نامی (میری بیوی کے تایازاد بھائی) بڑا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ وہ میری ساس کے مکانوں کا کرایہ بھی خود ہی ہضم کر جاتا تھا۔ میری بیوی کی والدہ بہت دلیر عورت تھی، وہ اندر سے اُس سے رنجیدہ تھی کیوں کہ وہ ہر وقت رعب ڈالتا رہتا تھا۔ ہمارے خاندان میں یعنی ننھیال چوں کہ مقامی لوگ تھے اور

صاحب حیثیت تھے۔ اس لیے اُسے اس بندھن سے اپنے اقتدار کے چھن جانے کا دھڑکا لگا رہتا۔ اُس نے Threat کرنا شروع کر دیا کہ دولہا ادھر آیا تو ماردوں گا، لڑکی کو ماردوں گا۔ بیوی کے خاندان والے اُس سے ڈرتے تھے اس لیے جلد شادی ہونا قرار پائی اور دس سال کی طویل مدت انتظار نہیں کرنا پڑا۔'' (۲۷)

جب میری شادی ہوئی میں خاکسار تحریک راول پنڈی کا سالار اعلیٰ تھا، جانبازوں میں بھی شامل تھا۔ خاکساروں پر میرا بہت اثر ورسوخ تھا۔ میں نے خاکساروں سے اُس شخص کی دھمکیوں کی بات کی۔ وہ تو انگریز حکومت سے بھی ٹکر لینے کو تیار تھے۔ چار پانچ سو خاکسار تیار ہو گئے۔ ایک خاکسار چوہدری محمد شفیع نے ریس کے گھوڑے رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے ریس کا جیتا ہوا گھوڑا بھیجا۔ میں باوردی تلوار اور بیلچہ لٹکائے گھوڑے پر سوار ہوا۔ خاکسار کا بینڈ باجا بھی ساتھ تھا۔ اُنہوں نے پورے شہر کا مارچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بزرگوں نے تھانے میں رپورٹ بھی درج کرادی تھی۔ تھانہ وارث خان کے ایس ایچ او (سکھ) نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا۔ آگے آگے خاکسار مارچ کرتے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے پولیس تھی ------ یہ پہلی برات تھی جو دن کے وقت چڑھی تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے دن کے وقت براتیں چڑھانی شروع کر دیں۔'' (۲۸)

خانگی اور ازدواجی زندگی

''ایک وقت ایسا بھی آیا جب میری مالی حالت بہت خراب تھی۔ میں بورڈ لکھ کر اور نو آنے دیہاڑی پر کام کر کے گزارہ کرتا تھا لیکن اس مفلسی اور تنگ دستی کے دنوں میں بھی میری بیوی نے اُف تک نہ کی اور جب بھی میں تھکا ہارا گھر آیا تو ایک حسین مسکراہٹ نے میرا استقبال کیا۔'' (۲۹)

''چنانچہ گھریلو گیتوں کی دھنوں کے لیے مجھے اپنی بیوی کی خدمات حاصل کرنا

پڑیں۔ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ وہ شگفتہ اور میرے بچپن کی ہمجولی ہونے کے علاوہ گھریلو گیت گانے میں اتنی مشاق ہے کہ آج تک میں نے گھریلو عورتوں میں ایسی آواز نہیں سُنی۔ آخر اس کام میں بھی میرا ہاتھ بٹانے کو میری اہلیہ رضیہ پرویز ہی آڑے آئی۔ گیت وہ لکھ لیتی، دُھنیں یاد کر لیتی اور مجھے منتقل کر دیتی۔'' (۳۰)

اولاد

۱۔شہناز پروین　　پیدائش ۱۹۴۱ء　　تعلیم: بی۔اے

(آصف سیماب: ایم۔اے انگریزی، اسسٹنٹ پروفیسر ڈیفنس کالج کراچی ڈرامہ آرٹسٹ کی والدہ)

۲۔ڈاکٹر محمود اکمل پرویز　　۲۵ دسمبر ۱۹۴۳ء　　پی۔ایچ ڈی (کمپوزنگ) اور فزکس

۳۔مسعود اجمل پرویز ۱۹۴۵ء　　ایف۔اے

۴۔فاروق امجد پرویز ۲۹ جولائی ۱۹۴۸ء　　بی۔اے

۵۔ڈاکٹر شاہینہ پرویز ۱۹۵۱ء　　ایم ایس سی (زوالوجی)، ایم ایس سی (نیوٹریشن) پی ایچ ڈی (نیوٹریشن)، سابقہ ریجنل ڈائریکٹر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، فیصل آباد

۶۔معروف اطہر پرویز ۱۹۵۴ء　　ایف۔اے

اعزازات

رائٹرز گلڈ نیشنل ایوارڈ: ۱۹۷۲ء (کنگراں دی چھاں)

حبیب بینک ایوارڈ: ۱۹۷۳ء (بن پھلواری)

خاکسار تحریک سے وابستگی

سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں علامہ مشرقی کی کتاب ''تذکرہ'' والد مرحوم مولانا محمد سے پڑھی اور علامہ مشرقی کے افکار سے متاثر ہوئے۔

''راول پنڈی کے کمپنی گراؤنڈ میں حضرت علامہ کے نائب راجہ شیر زمان اور ان کے ساتھی خاکساروں نے ایک اجتماع کیا۔۔۔۔میرے جسم و روح میں پہلے سے ہی جو خاکسار جاگزیں تھا وہ تماشائیوں کی صفوں سے نکل کر دیوانہ وار اس چھوٹے سے گروہ میں شامل ہوگیا۔ یہ ۱۹۳۶ء کی بات ہے۔''(۳۱)

''میں نے سرسالار اور سالار اعلیٰ حلقہ مغربی کی حیثیت سے خدمتِ خلق کا جذبہ جنون کی حد تک، اپنے خاکساروں کی روحوں میں رچا دیا جس سے تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ پھر جانباز، جانبازوں کا امیر خاص اور تین اضلاع کا منتظم اعلیٰ بن کر ان تھک کام کیا۔ دہلی کیمپ میں راول پنڈی کے دوسرے خاکساروں کے ساتھ شامل ہوا۔''(۳۲)

لکھنو کے محاذ پر بھی گئے۔ علامہ کے حکم پر لاہور پہنچ کر پانی پت کی طرف سے جو خاکسار یوپی میں داخل ہوئے؛ ''سب سے اگلے دستے کی کمان میرے پاس تھی۔''(۳۳)

علامہ مشرقی کی کتاب ''خریطہ'' (جس میں شاعری کے خلاف قرآن کے حوالے سے دلائل دیے گئے ہیں) پڑھ کر شاعری سے تائب ہوگئے تھے لیکن پھر عبدالحمید عدمؔ کے سمجھانے پر دوبارہ شاعری شروع کردی۔(۳۴)

''مجھے اسلام کا صحیح تصور والد صاحب اور خاکسار تحریک نے دیا۔''(۳۵)

ترقی پسند تحریک

''۱۹۴۵ء کے قریب راول پنڈی میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ افضل پرویز اس کے بانی رہنما تھے۔ افضل پرویز ترقی پسند ہو کر بھی ایک مذہبی گھرانے کے حوالے سے اسلامی ساخت اور روحانی فکر کے تزئین نگار تھے۔''(۳۶)

''یہ ایک عالمی تحریک تھی۔ روس، اٹلی، پولینڈ، چیکوسلواکیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس تحریک نے سامراج کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ سامراج دشمنی اس تحریک کا مشن تھا اور یہ ہر قسم کے استحصال کے خلاف اور امن کے حق میں تھی، اس لیے میں بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔''(۳۷)

''وہ سیدھا سادہ راسخ العقیدہ مسلمان ہے، شریف آدمی ہے۔ ترقی پسندوں کی طرح دہریہ نہیں، صرف کٹ ملائیت کے خلاف ہے۔''(۳۸)

رومانویت

بچپن میں والدہ سے ''ہیر وارث شاہ'' اور ''سیف الملوک'' کی رومان پرور لوریاں سُنیں۔ پھر کمیٹی چوک کی دیہاتی، شہری زندگی میں فطرت سے قرب، ماہیے کی تانوں اور سوانگ کی طلسماتی فضا سے مسحور ہوئے۔ پھر عبدالحمید عدمؔ سے انگلش پوئٹری پڑھی اور انگریزی ادب کے مطالعے سے مغربی رومانی افکار سے آگاہ ہوئے:

ورڈز ورتھ کے یہ الفاظ:

"Up up my friend

and quit yours books

let nature be your teachers

one impulse

from a warnal wood

may teach you more of a man."

اُن کی زندگی کا منشور بن جاتے ہیں اور وہ فطرت کی شاگردی میں مختلف علوم و فنون میں مہارت پیدا کرتے ہیں۔(۳۹)

علوم وفنون اورزبانوں میں مہارت

''میں خود خواندہ ہوں۔ میں نے بے پناہ مطالعہ کیا ہے۔ پنجابی اور پوٹھوہاری کے علاوہ اردو، فارسی، انگریزی، ہندی، گورمکھی اور خانہ بدوشوں کی کوڈ زبان بھی سیکھی۔ اس کے علاوہ مختلف علوم وفنون مثلاً طب، فلسفہ، نفسیات، منطق، اناٹومی، عمرانیات، فنِ موسیقی، فنِ مصوری وغیرہ سب کچھ پڑھا اور مہارت پیدا کی۔ کنجریوں اور ہیجڑوں پر بھی کام کیا۔ سپیروں اور گوگا پیر کے متعلق بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔''(۴۰)

''میں نے دیکھنے اور غور کرنے کا فرق شرلاک ہوم کے افسانوں سے سیکھا۔ اُس دن سے میں ہر چیز کو Minutley دیکھتا ہوں۔''(۴۱)

فرائیڈ، ایڈلر، ژونگ اور ولیلم ریخ کا گہرا مطالعہ بھی کیا ہے:

میں نفسیات کے حوالے سے اسٹڈی بھی کرتا ہوں۔ ہیجڑوں پہ کام کیا، کنجریوں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ اسٹڈی بھی کی، پڑھا بھی ہے، مشاہدہ بھی کیا۔ ''لیل ونہار'' میں لکھتا بھی رہا۔ پاگلوں پر بھی لکھا۔ مثلاً پاگل کیوں ہوا؟ پاگل پتھر کیوں مارتا ہے؟ مرے کتے کے پاس بیٹھ کر روتا کیوں ہے؟ اس کے علاوہ خانہ بدوشوں اور سپیروں سے بھی ملا ہوں اور ان کی نفسیات سے آگاہی حاصل کی۔''(۴۲)

تصوف

''افضل پرویز میں دراصل ایک صوفی چھپا ہوا تھا۔ وہ بعض اوقات تصوف کے حوالے سے بات کرتے تو تصوف کی تاریخ دہرا دیتے۔''(۴۳)

موسیقی

''میں نے لڑکپن ہی سے اُستاد سے باقاعدہ سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدائی تعلیم پٹیالہ گھرانے کے اُستاد عاشق علی خان صاحب مرحوم کے ایک شاگرد اُستاد نواب علی سے حاصل کی۔ پھر آگرہ گھرانے کے عظیم اُستاد اسد علی خان سے، جو اُن دنوں ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے پروگرام کرتے تھے، فیض حاصل کیا۔''(۴۴)

۱۹۵۵۔۵۶ء تک اینقہ بانو اور شوکت مرزا کے ساتھ پنڈی ریڈیو سے پنجابی، پوٹھوہاری گیت گاتے رہے ہیں۔(۴۵)

''وہ موسیقی کے جملہ رموز سے واقف ہیں۔۔۔۔ ویسے تو انہوں نے سب کچھ لکھا اور ہر چیز کامیابی سے Attempt کی لیکن زیادہ زور موسیقی پر دیا۔ اُن کی زیادہ اہمیت اسی وجہ سے ہے اور یہی ان کی پہچان رہے گی۔''(۴۶)

''میں نے بڑے بڑے موسیقاروں اور شہرت یافتہ گلوکاروں کو اُن کے گھٹنے چھوتے ہوئے دیکھا۔''(۴۷)

افضل پرویز نے موسیقی، موسیقاروں اور موسیقی کے سازوں کی ابتدا و ارتقاء پر بھی تحقیقی مضامین اور مقالے لکھے جو''ادبیات''،''نقوش'' وغیرہ میں چھپے۔ لوک گیت اور کلاسیکی موسیقی اُنہیں بہت مرغوب تھی۔ وہ خود ریڈیو سے گاتے بھی رہے۔

مصوری و خطاطی

بقول: افضل پرویز کے صاحب زادے (فاروق امجد پرویز)

''ابا جی کے بڑے بھائی قاضی احمد دین، جن کا ادبی نام انجم رضوانی تھا، ابا جی کے اُستاد (عبدالحمید عدمؔ کے کلاس فیلو) بہت اچھے شاعر تھے۔ اِن کی دو کتب ''پارہ پارہ'' اور ''انجستان'' مشہور ہیں۔ آپ ماہر تعمیرات تھے اور سرکاری ملازمت بھی کرتے رہے ہیں۔ چوں کہ آپ خطاط اور نقشہ نویس بھی تھے، اس لیے وہ نقشہ نویسی میں نقش و نگار بناتے، عید کارڈز خود بنا کر دوستوں کو بھیجتے تھے۔ بس اُن ہی کو دیکھ کر والد صاحب کو مصوری کا شوق پیدا ہوا۔ کوئی اُستاد نہیں خود ہی محنت کی اور مہارت پیدا کی۔'' (۴۸)

''مصوری کے میدان میں افضل پرویزؔ کی آمد تلاشِ رزق کے وسیلے سے بطور سائن بورڈ پینٹر کے ہوئی تھی۔ کچھ یہی سبب ہے کہ وہ ہمیشہ مصوری کے حقیقت پسندانہ مکتبِ فکر سے جُڑے رہے۔ ان کی پینٹنگز کا نمایاں وصف کرداری اشکار کی سطح پر اُن کا گہرا مشاہدہ ہے۔'' (۴۹)

سکول میں ڈرائنگ باقاعدگی سے سیکھی تھی۔ پھر ذاتی محنت سے فنِ خطاطی میں بھی مہارت پیدا کی اور کمرشل مصوری کرتے رہے۔ دیہاتی نیچرل زندگی کی طرف مُڑ گئے۔ جہاں سرسبز و شاداب کھیت ہیں اور دودھ بلونے کی مسحور کن صداؤں میں ملی جُلی چوڑیوں کی کھنک ــــ پوٹھوہاری ثقافت ہی اُن کے فنِ مصوری کی بھی جان رہی ہے۔

دیگر مشاغل

کشتی، گتکا بازی، باکسنگ، باڈی بلڈنگ اور یوگا ورزش۔ (۵۰)

سیروسیاحت اور شکار

لڑکپن میں دوردراز کے دیہاتوں اور کھلے میدانوں کی طرف نکل جانا اور ائیر گن سے شکار کھیلنا محبوب مشغلہ تھا۔ پھر لوک گیتوں کی تلاش میں پوٹھوہار کی گلی گلی محلہ محلہ گھوم آئے۔ نیسری سطح پہ انڈیا، تھائی لینڈ، ملائیشیا اور چین کی سیاحت کی۔

وفات

۲ جنوری ۲۰۰۱ء

افضل پرویز کی وفات پر شاعروں اور ادیبوں نے بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔ اخباروں میں اُن کے فکروفن پر تبصرے شائع ہوئے۔ آل عمران کی ذاتی مساعی سے شاعروں، ادیبوں کو افضل پرویز ایوارڈ دیا گیا۔ اس کے علاوہ ۲۱ فروری ۲۰۰۶ء کو کمیٹی چوک سے ظفرالحق روڈ جانے والی سڑک کا نام افضل پرویز روڈ رکھنے کا اعلان کیا گیا۔ (۵۱)

اوّلین نگارشات

''ایک دفعہ اُستاد صاحب نے ''عدل جہانگیری'' پر مضمون لکھنے کو کہا۔ میں نے وہ مضمون ڈرامے کے انداز میں لکھا۔ باقاعدہ کردار اور ایکشن ___ خط اچھا تھا۔ میں ڈرتا ڈرتا سکول پہنچا لیکن وہ مضمون دیکھ کر اُچھل پڑے۔ شاباش شاباش۔۔۔۔ایک دفعہ میں نے اپنے ایک ساتھی کی ہجو لکھی۔ اُستاد کو دکھائی تو انہوں نے پورا ایک جلسہ بلا لیا اور میری تعریفیں کرنے لگے۔ اس طرح میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔'' (۵۲)

پہلی غزل

''اُن دنوں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا جس کے لیے طرح مصرع تھا:

آج کس کے قتل کا سامان ہے

اسی پر میں نے غزل کہی۔ عدمؔ صاحب نے اصلاح کی۔ میں نے یہ غزل ترنم سے پڑھی اور خوب واہ واہ ہوئی۔'' (۵۳)

پہلی نظم

''دُنیا'' جو ۱۹۳۱ء کو ''نخستان'' (۵۴) میں چھپی۔ اس وقت افضل پرویزؔ نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ اُنہیں دنوں ایک مضمون بھی نخستان میں چھپا تھا۔ جواب نایاب ہے۔

گاہے گل گاہے خار ہے دنیا
یعنی ناپائیدار ہے دنیا
تم میرے دوست کچھ کہو لیکن
میرے دل کا قرار ہے دنیا (دُنیا)

پہلا میوزیکل فیچر

''ٹوٹ گئے وینا کے تار''۔

پہلی کتاب

نگراں دی چھاں: مطبوعہ ۱۹۷۲ء

افضل پرویز: فن اور شخصیت
کے حوالے سے تحقیقی وتنقیدی کام

افضل پرویز: شخصیت اور فن، راجا شکیل انجم، لاہور، پنجاب یونیورسٹی: ۱۹۹۲ء

افضل پرویز دیاں پنجابی زبان وادب لئی خدمتاں، فوزیہ اسحاق، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء (مقالہ برائے ایم۔اے پنجابی)

افضل پرویز: شخصیت اور فن، مرتبہ قاضی فاروق امجد پرویز، راولپنڈی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز: ۲۰۰۵ء نیرنگ خیال [سالنامہ، خصوصی گوشہ (افضل پرویز)] راولپنڈی، جولائی ۲۰۰۵ء

ادبی سرمایہ

۱۔ ''ککراں دی چھاں'' (پنجابی شاعری) راولپنڈی، مکتبہ خرافات: طبع اول ۱۹۷۲ء

۲۔ ''بن پھلواری'': اسلام آباد، نیشنل کونسل آف آرٹس: ۱۹۷۳ء

۳۔ ''غم روزگار کے'': راولپنڈی، مکتبہ خرابات: ۱۹۷۵ء

۴۔ ''کہند اسائیں'' (پنجابی نثر) لاہور، پاکستان پنجابی بورڈ: ۱۹۷۸ء

۵۔ ''چنبی کی شادی'': لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ: ۱۹۸۰ء

۶۔ ''چٹھیاں'': لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ: ۱۹۸۰ء

۷۔ ''نواہائے راز'': اسلام آباد، لوک ورثہ اشاعت گھر: ۱۹۸۳ء

۸۔ ''لوک تھیٹر'': اسلام آباد، لوک ورثہ اشاعت گھر: ۱۹۸۸ء

۹۔ ''جگنی اور راول'' (طویل مضمون) لاہور، علمی پرنٹنگ پریس: ۱۹۶۱ء

ثقافت بیتی

ہفتہ وار کالم جو ہر بدھ کو روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی میں سولہ سال تک شائع ہوتا رہا۔اس سے قبل وہ ''سرگرمیاں'' کے عنوان سے بھی کالم لکھتے رہے ہیں۔

ریڈیو فیچر

ان فیچرز کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے۔(۵۵)

۱۹۸۹ء میں اکادمی ادبیات پاکستان کے لیے خوشحال خان خٹک کی رباعیوں کا اردو سے پنجابی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔(۵٦)اس کے علاوہ ڈیڑھ ہزار صفحات پر مبنی ''انسائیکلوپیڈیا آف فوک لور'' بھی لوک ورثہ کے لیے لکھا تھا۔(۵۷)''ادبی دنیا''،''لہراں'' اور ''پنج دریا'' جیسے ادبی پرچوں میں اردو اور پنجابی پوٹھوہاری زبان کے چند افسانے بھی چھپتے رہے۔۱۹۹۱ء کو خانہ بدوشوں پر کام شروع کیا ہوا تھا۔ یہ کام منظرِ عام پر نہیں آیا۔ چند اردو اور پنجابی کے ڈرامے بھی لکھے، جیسے ''راگ دربار''،''راول جگنی''،''کیدو'' اور ''نکا جیہا موہڑہ'' وغیرہ۔''راگ دربار'' صرف تین صفحات پر مبنی ہے جو ماہنامہ قند (موسیقی نمبر) مردان میں چھپا۔''نکا جیہا موہڑہ'' غیر مطبوعہ مختصر سا پوٹھوہاری ڈراما ہے جبکہ ''راول جگنی'' ۱۹٦۱ء کو راول ڈیم پر دکھایا گیا۔۱۹۸۰ء کو ریڈیو سے نشر ہوا اور ۹۲۔۱۹۹۱ء کو ٹی۔وی سے بھی دکھایا گیا۔جبکہ ڈراما ''کیدو'' ۱۹٦٦ء کو ''پنجابی ادب'' لاہور میں چھپا تھا۔

موسیقی کے حوالے سے اُن کے تحقیقی و تنقیدی مقالات بھی ادبیات، نقوش، فنون اور انٹرنیشنل فوک لور جرنل وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔

سدا بہار شخصیت

افضل پرویزؔ ایک ہمہ جہت سدا بہار شخصیت تھے۔ وہ زندگی کی تقریباً چوہتر پچھتر بہاریں گزار چکے تھے۔ جب اُن سے میری پہلی ملاقات ہوئی لیکن ابھی تک اُن کے چہرے سے بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ وہ جوانوں کی طرح چاک و چوبند، پھرتیلے اور توانا دکھائی دیتے تھے۔ کسرتی بدن، بھرا بھرا توانا چہرہ بڑھاپے کا مُنہ چڑا رہا تھا اور وہ اس وقت تک باقاعدگی سے ورزش کیا کرتے تھے۔ بقول افضل پرویزؔ:

''میں نے اپنی صحت بنانے میں بہت محنت اور ریاضت کی ہے۔ میرے نزدیک اپنی صحت کا خیال رکھنا بھی ایک عبادت ہے۔'' (۵۸)

افضل پرویزؔ سراپا حرکت تھے، جمود و سکون اور یاس و قنوطیت سے اُنہیں نفرت تھی۔ انہوں نے مشکل سے مشکل حالات میں بھی کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اُنہوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور وہ اسی دنیا کو جنت، اسی دُنیا کو دوزخ سمجھتے تھے۔ زندگی سے اسی عشق کی بدولت ان کے دل میں ہر وقت جوان جذبے پروان چڑھتے رہتے تھے۔ میں نے اُن کی زبان سے بڑھاپے یا موت کا کبھی ذکر تک نہیں سُنا:

اک گل ہی یاد رہ گئی پرویزؔ
اُتھے بیڑی ڈبے جتھے آس موئی (۵۹)

ویرانی جہاں میں پرویزؔ
نغمات بہار گائیں گے ہم (۶۰)

افضل پرویز انتہائی محنتی، جفاکش اور سیلف میڈ قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے خود اپنے بازوؤں کے زور سے زندگی کا دریا عبور کیا ہے۔ اگر کچے گھڑوں کا سہارا لیتے تو ساحلِ مراد کو چھو بھی نہ پاتے:

بلا سے ، ناخدا کشتی ڈبو دے
ہمیں کیا فکر خود تیراک ہیں ہم(۶۱)

افضل پرویز اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ سراپا فنونِ لطیفہ تھے۔ زبان دانی کے ساتھ مختلف علوم مثلاً: فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، سماجیات، تاریخ، اناٹومی، طرح طرح کے لوگوں سے ملنا، ہیجڑوں، کنجریوں اور پاگلوں کا مطالعہ۔ الغرض وہ علم کا دریا تھے جس میں مختلف علوم کے ندی نالے آ کر ضم ہو جاتے تھے۔ انہوں نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا اُسے کامیابی سے نبھایا اور اس میں مہارت پیدا کی۔ وہ نامور پہلوان، گتکا باز اور باکسر بھی تھے اور تلوار زنی کے بھی ماہر تھے۔ ان تمام علوم وفنون اور کھیلوں نے ان کی شخصیت کو پہلودار بنا دیا ہے۔

مشرقیت اُن کی نس نس میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ انہیں اپنی دھرتی سے بے پناہ پیار تھا۔ خصوصاً خطۂ پوٹھوہار کے لوگوں کی حریت پسندی، آزادہ روی اور بے باکی و جرأت مندی کے از حد معترف تھے۔ مغربی کھیل کرکٹ وغیرہ کھیلنے کے باوجود مشرقی کھیلوں میں گہری دلچسپی لی اور مہارت پیدا کی۔ ان کا لباس عام سادہ، تقریبات کے موقع پر تھری پیس بھی پہنتے تھے۔ زیادہ گرمی میں دھوتی کُرتا یا دھوتی بنیان ان کا لباس ہوتا تھا۔ اُنہوں نے سیر و سیاحت کے لیے بھی مشرقی ممالک مثلاً: تھائی لینڈ، انڈیا اور ملائیشیا وغیرہ کا ہی انتخاب کیا۔ الغرض مشرقیت ان کے مزاج کا حصہ تھی اور ان کی جڑیں مشرق میں پوری طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ بقول افضل پرویز:

> ''پیدائش کے وقت بچے کے ناف سے ناڑ کاٹ کر صحن میں دفن کر دی جاتی ہے۔ یہ استعارہ ہے کہ اُس بچے کی جڑیں اسی ویہڑے میں ہیں۔ میری شخصیت کی جڑیں بھی اپنی دھرتی میں پھیلی ہوئی ہیں۔''(۶۲)

افضل پرویز کی خوراک عام اور سادہ تھی جو پکا ہو، کھا لیتے تھے۔ دال، ساگ اور کڑھی سے انہیں خاص رغبت تھی۔ آلتی پالتی مار کر عام مشرقی انداز میں کھانا کھانا پسند کرتے تھے۔ جوانی میں چوں کہ زیادہ ورزش کیا کرتے تھے اس لیے ناشتے سے پہلے بادام، چھوٹی الائچی اور کالی مرچ رگڑ کر پیتے تھے۔ آخری عمر میں انہوں نے خوراک میں خاصی کمی کر لی تھی۔ بقول افضل پرویز:

''اب بھی صبح سویرے باقاعدہ ورزش کرتا ہوں اور ناشتے میں کچھ پھل، دودھ، پراٹھا، ٹوسٹ اور انڈا استعمال کرتا ہوں۔'' (۶۳)

افضل پرویز کو آسمانی اور ہلکا نیلا رنگ لباس کے لیے بھی بہت پسند تھا۔ وہ بیک وقت شہری بابو تھے اور دیہاتی جاٹ بھی۔۔۔۔ اس طرح انہیں ''شہری دیہاتی'' کہا جا سکتا ہے۔ وہ دیہات کی پُر خلوص زندگی اور لامحدود فضاؤں سے بچپن ہی سے متاثر تھے۔ اُنہیں گلی گلی، قریہ قریہ پھرتے ہوئے کبھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ وہ دیہاتیوں میں گھل مل کر یوں محسوس کرتے جیسے اپنے ہی گھر میں پہنچ گئے ہوں۔ دیہات کے لوگ بھی شہری لباس میں چھپے اس جاٹ کو پہچان لیتے اور پھر ہر طرح کے تکلفات ختم ہو جاتے ہیں۔ بقول افضل پرویز:

''وہ میری چال ڈھال سے میرے سفید کپڑوں میں چھپا ہوا'' جاٹ'' کھوج نکالتے ہیں پھر وہ اور میں ایک سطح پر پہنچ کر ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔'' (۶۴)

افضل پرویز نہایت پاکیزہ خیال آدمی تھے۔ جوانی میں بھی کسی ایسی ویسی لغزش کا شکار نہیں ہوئے۔ ایک تو ان کی اناپسندی دوسرے والد صاحب کی تربیت اور خاکسار تحریک سے وابستگی تیسرے اُن کی بے پناہ مصروفیت، ورزش و کسرت کا شوق اور فنونِ لطیفہ کا جنون۔۔۔ پھر جلد ہی شادی ہو گئی۔ ذمہ داریوں کا بوجھ، بے روزگاری اور مفلسی و تنگ دستی کی چھائی ہوئی گھٹائیں۔۔۔ ان سب حالات نے مل کر اُنہیں تعیش پسندی سے ذرا دور ہی رکھا ہے۔

افضل پرویز کی خود پسندی ان کے اپنی ذات پر اعتماد سے جنم لیتی ہے۔ انہیں منافقت، حسد و بغض اور ہر قسم کی غلامی سے نفرت تھی۔ وہ انتہائی مستقل مزاج انسان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ

زندگی تضادات سے عبارت ہے اور مشکلات یا رکاوٹیں انسانی شخصیت کو نکھارنے کے لیے ناگزیر ہیں:

غیر نے مجھ کو چاہا تو تم بھی جانو گنوان
پتھر پر کس کر ہوتی ہے سونے کی پہچان (۶۵)

حق گوئی و بے باکی اُن کی سرشت میں شامل تھی۔ وہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہنے میں کبھی بھی مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہوئے۔ صحافی کی حیثیت سے بھی اور عام زندگی میں بھی وہ اسی اصول کو اپنائے رہے:

کرم گستر ہمارا منہ نہ کھلوائیں
بڑے منہ پھٹ بہت بے باک ہیں ہم (۶۶)

ہم نے جان تک وار دی نگاہ غلط انداز پر
منفعت کچھ بھی نہ تھی نقصان بے اندازہ تھا (۶۷)

افضل پرویز کا رنگ سانولا، قد درمیانہ، جسم مضبوط اور سڈول اور ان کے چہرے کی سختی مرعوب کر دیتی تھی لیکن جب وہ نرم نرم، میٹھے میٹھے انداز میں گفتگو کرتے تو سب تکلفات دھرے کے دھرے رہ جاتے اور آدمی اُن سے گھلنے ملنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

ہمہ جہت شخصیت کی عکاس غزل

افضل پرویز نام ہے اک ہمہ جہت سدا بہار شخصیت کا___ آپ کا تعلق ایک علمی اور مذہبی گھرانے سے تھا اور آپ کو مختلف علوم و فنون اور زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ آپ کی شخصیت کی یہ پہلو داری آپ کی شاعری میں جا بجا جلوہ نما ہوئی ہے۔

افضل پرویز نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس کے ادبی افق پر 'بزم اردو'، 'بزم ادب' اور 'PAL' نامی تنظیمیں چھائی ہوئی تھیں۔ طرحی اور موضوعی مشاعروں کا رواج تھا اور آپ کے بڑے بھائی شاعر انجم رضوانی اپنے گھر میں بھی ایسے مشاعرے منعقد کراوتے رہتے تھے۔ افضل پرویز نے ایسے ہی ایک مشاعرے میں طرحی غزل پڑھی۔ مصرع تھا:

آج کس کے قتل کا ساماں ہے

یوں آپ کی شاعری کا آغاز غزل سے ہوا اور بعد میں ترقی پسند تحریک کے اثرات کے تحت نظم کو مستقل وسیلۂ اظہار بنا لینے کے باوجود آپ کی قلبی کیفیات غزل ہی کی آغوش میں سر چھپاتی رہی ہیں۔ افضل پرویز غزل سے اپنی دل بستگی کے متعلق کہتے ہیں:

> ''غزل ہماری کلاسیکی روایت کا ایک حصہ ہے بل کہ جان ہے۔ قلبی کیفیات کے بیان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعۂ اظہار نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنا شعری ورثہ بہت عزیز ہے۔''(۲۸)

افضل پرویز کی غزل روایت کی پاسداری، روحِ عصر کی ترجمانی اور شاعر کے نظریات و افکار کی نگہبانی کرتی ہے۔ بقول جمیل ملک:

''افضل پرویز کی غزل کا بنیادی رویہ کلاسیکی ہی ہے لیکن ترقی پسندانہ اندازِ نظر کی بدولت

اس نے غزل میں ٹھہراؤ یا انجماد کی کیفیت سے مسلسل دامن چھڑایا ہے۔"(۶۹)

افضل پرویز مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے اور مغربی تہذیب و ثقافت سے بھی واقف ـــــ آپ وسیع المطالعہ شخص تھے اور ماہ ہفت زبان بھی ـــــ کچھ یہی سبب ہے کہ آپ کی غزل میں قدیم علامتوں اور تمثالوں کے ساتھ ساتھ جدید علامتیں اور تمثالیں مثلاً: ہائیڈروفوبیا، ویٹنگ روم، ٹرین ہیچ، اسکوٹر وغیرہ بھی ملتی ہیں۔ آپ نے اردو غزل کو وسیع ذخیرۂ الفاظ دیا ہے لیکن انگریزی زبان کی علامتیں اور تمثالیں غزل کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہو پائیں۔ بقول محمد حسین چوہان:

"جب نئے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہ شعری تجربے کا حصہ بن کر ہیت اور بنت میں شامل نہیں ہوتے۔"(۷۰)

بحیثیت مجموعی افضل پرویز نے ڈکشن کے استعمال میں سلیقہ مندی دکھائی ہے اور تلخ حقائق کو شعر کے لوچ سے ہم کنار کیا ہے:

اپنے ایک ایک تلخ شعر میں ہم
شہد رکھتے ہیں قند رکھتے ہیں

کلاسیکل شعراء میں افضل پرویز، غالب سے زیادہ متاثر ہے۔ غالب کا سا انداز اپنانے کی کوشش، غالب کی زمینوں میں غزل کہنا، فارسی تراکیب، تاب شنیدن، صدائے درد، لیلائے زیست، اسیر دام وقفس، نگار زیست، بازی گاہ دار و رسن، میکدۂ فن وغیرہ اور غالب کے مضامین کو بھی اشعار میں دہرایا ہے:

ہجر کی راتیں گر شمار کرو
سفرِ زیست مختصر نہ لگے

☆

دل خیالوں کا پری خانہ ہے
ویسے اُجڑا ہوا کاشانہ ہے

☆

ہنسے گر تو جلا کرے کوئی
روئے تو ہنسا کرے کوئی

☆

میری عبودیت فضول تری ربوبیت عبث
میں نے اگر طلب کیا تو نے اگر صلہ دیا

افضل پرویز نے نظریاتی آدمی تھے۔ ترقی پسند تحریک اور خاکسار تحریک سے گہرا تعلق تھا۔ عوام اور محنت کشوں سے بھی قریب تھے۔ خود محنت مزدوری کرتے رہے، سائن بورڈ لکھے اور بے روزگاری سے بھی دوچار ہوئے۔ یوں وہ عوام اور محنت کش کے دکھ اور استحصال کو ذاتی طور پر سمجھتے تھے۔ عین ممکن ہے عوام اور مزدور کی بات افضل پرویز کے لیے نفسیاتی مسئلہ بھی رہا ہو لیکن ان کا واضح خطابیہ اور واعظانہ انداز غزل کے حسن و رعنائی کو مجروح کر دیتا ہے:

محنت کس بل چڑھتا سورج دولت پونجی ڈھلتی شام
مزدور اس دھرتی کا جوبن دھن والا بیزاری ہے
ہم ہیں عوام اور کس میں بل ہے ہم سے آنکھیں چار کرے
امن کی اِک للکار تمہارے سو ایٹم پر بھاری ہے

ادیب، شاعر اور سیاست دان کی زبان میں واضح فرق ہوتا ہے۔ ادب کی اپنی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے۔ مخفی پردہ داری یا حقیقتوں کا بے رنگ بیان ادب نہیں کہلا سکتا۔ بقول انیس ناگی:

''الفاظ کے استعمال اور ترتیب کے قرینے میں انسان کی ذہنی ترقی اور اوج کی داستان مخفی ہے۔''(۷۱)

شاعری کی زبان لازماً علامتی ہونی چاہیے۔ شاعری خوب صورت لفظوں کی محتاج ہوتی ہے۔ بقول کالرج:

''شاعری میں بہترین الفاظ، بہترین ترتیب میں پیش کیے جاتے ہیں۔''(۷۲)

نظریہ، فن کے تابع ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جب افضل پرویز کھردری حقیقتوں اور نظریات کو اشاروں کنایوں کی زبان میں پیش کرتے ہیں تو قاری ان کی گرہ کشائی سے حظ اندوزی کے متنوع

پہلو کشید کرتا ہے اور غزل اِک کیف زا تازگی سے آشنا ہوتی ہے:

سنتے ہیں کہ چمن مہکے ، بلبل چہکے ، بن لہکے ہیں
اپنے نشیمن تک جو نہ پہنچی ایسی بہار بہار کہاں
گلچینوں کو آج چمن بندی کا دعویٰ ہے پرویزؔ
اب دیکھیں لٹ کر بکتا ہے کلی کلی کا سنگھار کہاں

افضل پرویزؔ زندگی کے شاعر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ زندگی تضادات سے عبارت ہے۔ اسی لیے مصائب و مشکلات، دکھوں اور غموں سے گھبراتے نہیں تھے۔ انہوں نے زندگی کی زہرناکی اور شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور کہیں بھی اصولوں کی سودے بازی نہیں کی۔ آپ کے اشعار میں ایک چیلنج کا انداز پایا جاتا ہے۔ یوں افضل پرویزؔ کی آواز آتشؔ اور غالبؔ کی آوازوں سے مل کر بھی اپنی اک الگ شناخت برقرار رکھتی ہے۔ آتشؔ کی بے نیازی اور بے رغبتی مشغولیِ ذات کا نام ہے اور شاعر غالبؔ عام زندگی میں کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ افضل پرویزؔ کی تمام تر زندگی جدو جہد سے عبارت ہے، انہیں خود اعتمادی کی دولت فراواں میسر ہے، وہ مایوسی کو گناہ سمجھتے ہیں اور زندگی کے ہر روپ سے پیار کرتے ہیں:

نگار زیست ہے اور میں ہوں پرویزؔ
ہمارے درمیاں تیرہ بھی نہیں ہے
عزم راسخ جنوں سلامت ہے
تجھ سے کیوں اتحاد کرے کوئی
بلا سے ناخدا کشتی ڈبو دے
ہمیں کیا فکر خود تیراک ہیں ہم

ارضی جغرافیہ اور ماحولیاتی فضا، ذہنی جغرافیے کے تعین میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ افضل پرویزؔ نے کیمبل پور کی جس شہری دیہاتی فضا میں آنکھ کھولی اور سنِ شعور کو پہنچا۔ وہاں دور دور تک لہلہاتے سرسبز کھیت تھے اور ہل چلاتے کسانوں کے ماہیوں کی فضا میں گونجتی تانیں۔

افضل پرویز نے جو پہلا گیت سُنا وہ ماہیا تھا اور یہ ماہیا ساری زندگی اسے اپنی طرف کھینچتا رہا___ پھر سوانگ کا عروج___ سوانگ کی رومانی طلسماتی فضا سے محبت ''لوک تھیٹر'' کی صورت میں سامنے آتی ہے اور لوک گیت سے محبت کا نام ''بن پھلواری'' ہے۔ قبل ازیں افضل پرویز والدہ کی آغوش میں ''سیف الملوک'' اور ''ہیر وارث شاہ'' کی رومان پرور لوریاں بھی سن چکے تھے___ بعد ازاں آپ عبدالحمید عدم کی صحبت اور خود خواندگی کے ذریعے مغربی رومانی افکار سے بھی آگاہ ہوئے، خصوصاً ورڈز ورتھ نے آپ کو بہت متاثر کیا۔

افضل پرویز کی غزل میں حرارت اور تڑپ لوک گیت سے مستعار نظر آتی ہے۔ لوک اور شہری دونوں آوازیں باہم مل کر ایک نیا ترنم اور نغمگی غزل کو عطا کر دیتی ہیں۔ بقول جمیلہ شاہین:

> ''شاعر افضل پرویز کی ''دو آوازیں'' لوک آواز اور شہری آواز میرا تعاقب کرنے چلیں۔
>
> جاگتی کھیتیاں بلاتی ہیں گھر سے گاتے ہوئے غزل نکلو
>
> 'کھیتیاں' اور 'غزل' کا یہ سنگم یقیناً اردو شاعری میں ایک نئی آواز ہے۔''(۷۳)

رومان، نرمی، گداز اور لوچ کے ساتھ ساتھ غزل میں پہلوان افضل پرویز کی اِک مضبوط، توانا، مردانہ آواز اور للکار بھی شامل ہوگئی ہے۔ یہاں ناسخ اور افضل پرویز ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ناسخ لفظوں سے کُشتی لڑتا ہے اور افضل پرویز زندگی سے برسرِ پیکار ہے لیکن جہاں جہاں شاعری کے میدان میں فنکار، پہلوان افضل پرویز کو پچھاڑ دیتا ہے، وہاں خوب صورت شعری پیکر سامنے آتے ہیں اور جلال و جمال کی یکجائی غزل کو مردانہ حسن بھی عطا کر دیتی ہے اور شاعر (Romantic Realist) کے رُوپ میں فتح کا جھنڈا لہراتا ہے:

پیکرِ سیمیں ترا نظروں سے اوجھل ہو گیا
کس قدر گھل مل گئی ہے چاندنی میں چاندنی
رات بھر میں کاٹ لوں گا درد کا کوہِ گراں
صبح تک تو ساتھ دے پیاری خامشی میں چاندنی

اے بادِ نسیم! ادھر بھی آئے اِک حیات افزا جھونکا
سو رہی ہے جانے کب سے سُنبل و سمن کی خوشبو

غزل کے شاہانہ اور گیت کے عامیانہ مزاج کے امتزاج سے جنم لینے والی یہ غزل، شہر کی پُر تکلف زندگی، پُر شور دھواں دار فضا اور دیہات کے معطر، بے تکلف طرزِ زیست کا بیک وقت ساتھ نبھا رہی ہے:

گاؤں کی پنہاریاں چھاتی جائیں میرے خیالوں پر
دشت کی سیر کو آیا ہوں تو غزل ہو جائے غزالوں پر
دو دو گھڑے اٹھائے لچکتی بل کھاتی اٹھلاتی جائیں
مور چکور کے تاج فدا ہیں٭ دیں جلبوں کی چالوں پر

وقت کے طوفانی ساگر میں گرداب کپٹ کے ریلے ہیں
لیکن آس کے مانجھی ہر لحظہ موجوں سے کھیلے ہیں

افضل پرویزؔ نامور موسیقار اور مصور بھی تھے۔ موسیقی کی ابتدا ترنم سے ہوئی اور ترنم کا آغاز مسجد میں قرأت اور نعت خوانی سے ہوا۔ آپ کے گھریلو مذہبی ماحول میں موسیقی کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی مگر شوق۔ آپ لڑکپن ہی سے چوری چھپے سیکھتے رہے۔ آپ نے اُستاد نواب علی خان اور استاد اسد علی خان سے باقاعدہ موسیقی کی تعلیم حاصل کی، کلاسیکل اور لوک گیت ریڈیو پاکستان سے گاتے بھی رہے۔ اس کے علاوہ موسیقی، مختلف سازوں کی ابتداء وارتقاء پر تحقیقی مقالات بھی لکھتے رہے۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو غزل میں موسیقی کی اصطلاحوں اور مختلف سازوں کے ناموں کے حوالے سے نمایاں ہوا ہے:

اس کے انگ انگ میں ٹھمری کا گداز اور لچک
میں نے چھیڑا تو وہ٭ کھماج کی سرگم نکلی

شاہ کے دربار میں ٹوڈی کے سر محبوس تھے
آہوئے دل اس گھڑی٭ صحراؤں میں آوارہ تھا

جھانجن کی جھنکار میں نغموں کا طوفان
کس نے سنی ہے کون٭ سنے فریاد کسی کی

ہائے وہ دن جب کسی فریاد پہ قدغن نہ تھی
درد کی ہر لہر زخمہ اور میں اکتارہ تھا

افضل پرویز ایک اچھے مصور بھی تھے۔ ایک زمانے میں کمرشل مصوری کی اور اسے ذریعۂ معاش بھی بنایا۔ آپ کی مصوری کا ایک پہلو مصورانہ خطاطی بھی ہے۔ آپ کی پینٹ کی ہوئی تصویروں میں پوٹھوہار کی دیہاتی ثقافت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ مختلف سازوں اور راگوں کو مجسم پیش کرنے کا رجحان بھی نمایاں ہے۔ مصور افضل پرویز لفظوں کے ذریعے بھی خوب صورت شعری پیکر تراشتے ہیں اور دو مصرعوں میں پوری تصویر آنکھوں کے سامنے اُجاگر کر دیتے ہیں:

کہیں پہ کیا بے کفن لاشہ پڑا ہے
فضا تاریک ہے زاغ و زغن سے
☆
گھر میں چھپ کر شعر تو کہتے ہو پرویز
دروازے پہ کوئی کھڑا ہے وردی میں
☆
کتنا دعویٰ تھا کم آمیزی کا اس چنچل کو
میری آغوش میں وہ موم کی مریم نکلی
☆
جگ جگ کانٹے منزلوں صحرا کوسوں جنگل بیلے ہیں
سفرِ زیست کٹھن ہے یارو راہ میں لاکھ جھمیلے ہیں

فنی حوالے سے افضل پرویز کی غزل عموماً پانچ، چھے، سات یا آٹھ شعروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چند غزلیں نو، دس یا گیارہ اشعار کی بھی ہیں۔ بعض غزلوں میں قطع بند شعر ہیں اور بعض میں دو دو مطلعے۔ بحر عموماً رواں دواں اور ہموار ہوتی ہے۔ انہوں نے طویل اور مختصر دونوں طرح کی بحریں برتی ہیں۔ ان کے ہاں بعض اچھوتی اور انوکھی بحریں بھی ملتی ہیں مثلاً:

بار گوش ہے سے کی چاپ آج
مطرِبا کوئی غزل الاپ آج

بعض مشکل زمینوں میں بھی اچھے شعر نکالے ہیں جو محض قافیہ پیمائی تک محدود نہیں رہتے بل کہ

ان کے تجربے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں:

یہاں سب کچھ وہاں کچھ بھی نہیں ہے
ورائے آسماں کچھ بھی نہیں ہے

نچے نچے پر و بال اور بجھی بجھی آواز!
نہیں ہے تاب شنیدن قفس کی بات نہ چھیڑ

حیثیت اُس کی شعلۂ خس کی نہیں نہیں
جیون کی جوت یک دو نفس کی نہیں نہیں

وہ غزل میں مقامی اور غیر مقامی لفظوں کی جوت کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ غزل کی فضا میں کھٹکتے بھی ہیں لیکن "گلا فتاب" کی سی بھونڈی صورت نہیں بنتی۔ بحیثیت مجموعی لفظوں کا فنکارانہ برتاؤ افضل پرویز کی قادرالکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ روانی، قادرالکلامی اور مناظر فطرت کی عکاسی کا نمونہ یہ غزل دیکھیے:

ماگھ آیا آؤ کھلی دھوپ میں
ہے بجیلا سجاؤ کھلی دھوپ میں

کھیتوں میں نکل آؤ آنچل اڑاؤ
دو گھڑی لہلہاؤ کھلی دھوپ میں

آنے والی بہاروں کا دیباچہ ہیں
کونپلوں کے بناؤ کھلی دھوپ میں

بقول پروفیسر کروسی "ادب خالص تجربہ" کا اظہار ہوتا ہے۔ (۴۷) شاعر افضل پرویز بھی بڑے خلوص سے اپنے تجربے کا اظہار کر دیتا ہے اور تجربہ اپنے لیے فنی پیکر خود بخود تراش لیتا ہے:

کہہ دیتا ہوں بس سیدھے سجاؤ سے کھری بات
وہ کہتے ہیں پرویز بڑا صاحب فن ہے

پوٹھوھاری آھنگ کی نمائندہ اردو نظم

افضل پرویز اردو نظم میں پوٹھوہاری آہنگ کے بہترین نمائندے تھے۔ وہ ہمہ پہلو شخصیت کے حامل ایک نظریاتی آدمی تھے اور نظریاتی جوہر کی نمود کے لیے انہوں نے بھی نظم کو شعوری سطح پر اپنایا ہے۔ آپ کی نظم ترقی پسندانہ نظریات کے ساتھ ساتھ زندگی کے تلخ حقائق و مسائل بغاوت کے نعروں اور انقلاب انگیز فکر سے لبریز ہے۔ وہ حقائق کی ترجمانی بڑی بے باکی اور جواں مردی سے کرتے ہیں۔ منافقت کی نقاب نہیں ڈالتے اور نہ ہی مصلحت پسندی کا شکار ہوتے ہیں۔ بقول جمیل ملک:

"افضل پرویز بے رحمی کی حد تک صاف گو حقیقت پسند ہے۔ اس کی یہ حقیقت پسندی بڑی فعال ہے اور انفعالیت کی کوئی ہلکی سی رو اسے چھو بھی جائے تو وہ اپنے نقطۂ نظر کے زور سے اس کو فعال حقیقت پسندی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔" (۷۵)

اس آئینے پہ تو ہلکا سا بھی غبار نہیں
حضور! آپ کے چہرے پہ ہی کدورت ہے
بس اپنے چہرے کے داغوں کی فکر کیجیے آپ
اس آئینے پہ بگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

(تنقید اور حکومت)

شاعر نے نہ صرف زندگی کا مشاہدہ کیا بل کہ تجزیہ و استدلال سے منزل کا تعین کیا، پھر خود منزل کی طرف چل پڑا اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کیا ہے:

اس ایک نقطۂ آغاز پر پہنچ کر ہم
قدم بڑھاتے چلے جائیں اپنی منزل تک

بھولے چہرے اور سنگ رہ کو ٹھکراتے
زقند بھرتے بڑھتے اپنی منزل تک

(میں اور تو)

افضل پرویز درمیانے طبقے کے ایک فرد تھے۔ انہوں نے جس نو آبادیاتی معاشرے میں جنم لیا وہ شدید افراتفری، انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ فرد کا ماضی سے رشتہ کٹ چکا تھا اور وہ مستقبل سے بھی کوئی مضبوط اور پائیدار رشتہ استوار نہ کر سکا تھا جیسا کہ ن۔م راشد کے ہاں بے اطمینانی کا شکار فرد ابھرتا ہے لیکن چوں کہ یہ تحریکوں کا دور تھا۔ بیداری اور آزادی کی لہریں ہر طرف متلاطم تھیں۔ خود افضل پرویز خاکسار تحریک اور ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن تھے اس لیے ان کی نظموں میں ایک امن پسند، مگر اپنے حقوق کے لیے بھڑ جانے والا، عوام کا درد آشنا اور باشعور شخص نمایاں ہوا ہے۔ نظم "ہم جنگ نہ ہونے دیں گے" اس کی عمدہ مثال ہے۔ بقول جمیل ملک:

"افضل پرویز کی نظموں میں درمیانے طبقے کی محبتوں اور نفرتوں کے المیے معاشی اور معاشرتی تفاوت کے قضیے اور شعور و تحت الشعور، مصلحت پسندی اور روشن خیالی کے تضادات۔۔۔ ابھر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔" (۷۶)

متوسط طبقے سے افضل پرویز کا یہ رشتہ عالمی نوعیت کا حامل ہے۔ افضل پرویز کا مذہب انسانیت ہے۔ وہ ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی استحصال کے خلاف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مذہب ہر قسم کی غلامی کے خلاف ہے اور فرعون صفت حکمران اپنی خواہشات کو مذہب کا رنگ دے دیتے ہیں۔ بقول حسن طاہر:

"افضل پرویز عام آدمی کی الجھنوں، مشغلوں، کامیابیوں، ناکامیوں اور المیوں کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔" (۷۷)

محسن عابدی بھی اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ قومی اور عالمی سطح پر محنت کشوں کے ایک ہمدرد ساتھی کی طرح سامنے آتے ہیں۔" (۷۸)

نظم ''وکٹوریہ کراس'' میں انسانیت کا کتنا کرب، کتنا درد سمایا ہوا ہے اور طنز کی زہرناکی لفظ لفظ سے عریاں ہو رہی ہے۔ ایک سپاہی جو اپنی ٹانگیں، بازو اور دانت سرمایہ داروں کی ہوسِ زر اور ہوسِ ملک گیری کی نذر کر چکا ہے۔ ''وکٹوریہ کراس'' کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ یہ اعزاز کیا انسانی اعضا کا بدل ہو سکتا ہے۔

پلنگ کے پاس سے بیساکھیاں ہٹا دو ادھر
ذرا یہ دانتوں کا سیٹ اس گلاس میں رکھ دو
میری طرف ذرا دیکھو تو روئے ـ ـ جاتی ہو؟
سہاگ رات ہے للہ سسکیاں نہ بھرو!

(وکٹوریہ کراس)

افضل پرویز زندگی کے تضادات سے آگاہ ہیں اسی لیے وہ مشکل لمحات میں گھبراتے نہیں اور یہ رجائی رویہ انھیں تحریک اقبال سے قریب کر دیتا ہے۔ ان کے ہاں جلالی اور جمالی پہلو یکجا ہیں لیکن تحریک اقبال کے برعکس ان کی نظم میں خارجی پہلو زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ بہر حال وہ تحریک اقبال سے متاثر ہوئے اور علامہ اقبال کا رنگ ان کی نظموں میں جھلکتا بھی ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ مزدور کی بیداری علامہ اقبال اور افضل پرویز کی شاعری کا مشترک موضوع ہے فرق یہ ہے کہ علامہ اقبال بہت بڑی آئیڈیالوجی کا بڑا شاعر اور فن کار ہے۔

شیر و شہباز کے جھپٹے ہوئے دراج و شغال
کھا لیے کرگسوں نے، زاغوں نے روباہوں نے

(ساتھیو)

اور کہ تسلیم ازل سے ہے تمہارا شیوہ
تم نے ہر راہ میں ہر گام پہ دھوکے کھائے
وہی قارون، وہی شداد، وہی شہ، وہی بت
ہر زمانے میں نیا بھیس بدل کر آئے

اٹھو ہر گلشن شداد کے مالی تم ہو
اپنی تخلیق کے شہکار کے والی تم ہو

☆

اپنے آقاؤں سے چھٹ کر بھی یہ بے مزد غلام
گھر والے بھی وفاداری کی دُھن گاتے ہیں

شاعر نچلے اور درمیانے طبقے کے ایک فرد کی طرح خوابوں کی دنیا میں بھی سیر کرتا ہے لیکن محبت ___ مفلوک الحالی، بھوک اور افلاس کا سدّ باب تو نہیں کر سکتی۔ وہ موقع پرست نہیں، انا پرست ہے۔ منافقوں، دریوزہ گروں اور بھیک منگوں سے متنفر ہے۔ اسی لیے وقت کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ وہ جلتا ہے، کڑھتا ہے اور اس منافقانہ ماحول سے آنکھیں میچ کر خواب کی حسین وادیوں میں اپنی خوئے آوارگی کو تسکین بھی بخشتا ہے:

مجھے کسی پیڑ کے تنے سے کوئی دفینہ ہی ہاتھ آ جائے
ہزاروں لاکھوں کی میرے حق میں بھی کوئی لاٹری نکل آئے
تو اپنے ماموں کے باغ سے دس گنا بڑا ایک باغ لے لوں
فٹن تو کیا ایک کار لے لوں
میں سوٹ پہنوں شراب انڈیلوں
تو میرا ماموں خوشی سے نجمہ کو میرے پہلو میں لا بٹھائے

(عکسِ حسن کی ساحری)

استحصال، ناانصافی اور جبر و استبداد کے دور میں ایک شریف آدمی انصاف کی کیا توقع رکھ سکتا ہے، اسے تو شرافت بھی ایک جرم نظر آنے لگتی ہے:

دل خون ہو تو آہ کا بھرنا بھی جرم ہے
جینا وہاں تھا ہی پہ مرنا بھی جرم ہے
وہ دور ہے کہ جرم نہ کرنا بھی جرم ہے

پھنکارتے ہیں ناگ اِک اِک آشیانے میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

(قوالی)

نظموں کے موضوعات میں تنوع اور وسعت پائی جاتی ہے۔ طنز و تشنیع، رومان، نظریات کا پرچار اور شخصیت کا عمل دخل بھی نظر آتا ہے۔ حسن طاہر نے ان نظموں کو طنزیہ، عشقیہ، موسیقانہ دل جمعی کی حامل اور نظریاتی چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔(۹۷) نظم میں افضل پرویز کی شخصیت کی جلوہ گری کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک ماہر موسیقار، موسیقی کی اصطلاحوں، راگوں اور مختلف سازوں کے ناموں کے استعمال کے حوالے سے نمایاں ہوا ہے:

جھپ تال، بلمپت لے، سمپورن دیپک راگ
استھائی، ابھوگ، بڑھت انترا اور سنچاری
تانیں سارنگی کی تھاپ پکھاوج پر
دیپک پہ سنہری جلا سازندوں کی فنکاری

(دیپک راگ)

نظم "دیپک راگ" میں ہی موسیقار کے ساتھ ساتھ مصور افضل پرویز بھی موجود ہے اور لفظوں کی مدد سے بڑی ہنرمندی اور سلیقے سے خوب صورت شعری پیکر تراشے گئے ہیں:

کھیتوں سے نکلتے ہی اور موڑ سے مڑتے ہی
ٹھٹکیں تانیں ٹوٹیں اُڑتے آنچل سمٹے
لانبی پلکیں جھکیں گالوں کی شفق بھڑکی
آپس کے ٹہوکوں پر کریں لچکاتے ہوئے
سرگوشیاں کرتے ہوئے مبہوت مسافر پر
اک ایک نے قاتل فن کارانہ نظر داغی

افضل پرویز دیہاتی فضا، کھیتوں، کھلیانوں، بہتے جھرنوں، پھولی سرسوں میں بھری چاندنی اور

بلند پہاڑی سلسلوں کے شیدائی تھے۔ انہوں نے خصوصاً خطۂ پوٹھوہار کی دیہاتی فضا کو اپنی ذات کا حصہ بنایا ہے۔ افضل پرویز کی شخصیت کی تعمیر، کمیٹی چوک کی شہری، دیہاتی فضا میں ہوتی ہے اور جب یہ "شہری زندگی" قسم کی شخصیت شعری روپ میں ڈھلتی ہے تو اس میں غزل کا سوز و گداز، لوک گیت کی تڑپ اور پوٹھوہار کے گھبروؤں کی گرج بھی شامل ہو جاتی ہے:

اس آنکھے دیپک کو تنویر کی حاجت ہے
اس گاؤں کے ماہیا سے کچھ آگ چرا لائیں
پڑاں آنچل کی نے ان قہقہوں کی گھنکیں
ممکن ہو تو گاؤں کا ماحول بھی لے آئیں

بقول افضل پرویز:

"میں نے ان لوک گیتوں کی آنچ سے اپنی شاعری میں حرارت پیدا کی۔" (۸۰)

افضل پرویز کا دیپک ہمیشہ دیہاتی فضا میں ہی روشن ہوتا ہے۔ دیہات کی رومان پرور فضائیں، الہڑ شوخ مٹیاروں کا سر ڈھانپنا، گھڑے اٹھائے کمر لچکائے کنویں سے پانی بھر لانا ___ افضل پرویز کو رومان کے "تحیر زار" میں لے جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان کی شاعری کا خمیر لوک گیتوں سے اٹھا ہے لیکن فطری معصومیت کے ساتھ ساتھ شہر کی پُر پیچ زندگی سے آگہی کا ثبوت بھی فراہم کیا گیا ہے کیوں کہ افضل پرویز کا بنیادی تعلق بہر حال شہر سے تھا۔ ایک شہری بابو ہونے کے باوجود لوک گیتوں سے اپنی اردو شاعری میں حرارت پیدا کر لینا بارہ من کا پتھر اٹھانے کے مترادف تھا۔ (۸۱) لوک گیتوں کی یہ حرارت "پسے ہوئے شور کا احتجاج" بن کر نظموں اور گیتوں کے ایوانوں کو پگھلا کے رکھ دیتی ہے اور لوک گیتوں کا ہیرو پورے جاہ و جلال اور بے پناہ خود اعتمادی کے سہارے کلاسیکی قلعوں پر فتح کا جھنڈا گاڑ دیتا ہے۔ بقول سید ضمیر جعفری:

"وہ اردو شاعری کے مرمریں فانوسوں اور قالینوں سے سجے ہوئے ایوانِ زرنگار میں اپنے کھیتوں اور کھلیانوں سمیت داخل ہو گیا اور اس ایوان کے Sound System پر شاعری کے جو ریکارڈ میر تقی میر کے زمانے سے بجائے جا رہے تھے

،موسیقی کے اس کلاسیکی دریا میں وہ پوٹھوہار کے آہنگ کو بھی شامل کر سکا۔ اس نے اردو شاعری کو نئی خوشبوئی آواز دی۔" (۸۲)

افضل پرویز ایک ایسا باغی اور حریت پسند ہے جو ہر قسم کی غلامی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ وہ سنگ سنگ چلنے کا قائل ہے، انسانیت دوست ہے اور ہر شخص کو آزاد دیکھنے کا متمنی ہے۔ بقول سید ضمیر جعفری:

"آزادی ___ افضل پرویز کی شاعری کی سنہری مچھلی ہے۔" (۸۳)

وہ ساری زندگی سامراج کے خلاف نبرد آزما رہے، دوسری جنگ عظیم میں برطانوی سامراج کے ہاتھوں کھلونا بھی بنے لیکن جلد ہی سرکاری ملازمت سے جان چھڑالی اور غلامی کا جوا ہمیشہ کے لیے اپنے سر سے اتار پھینکا۔ انہوں نے بغاوت کا آغاز اپنے ہی طبقے کی منافرت اور منافقت پر شدید طنز سے کیا ہے۔ وہ اپنے گردوپیش پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سانحہ اوجڑی کیمپ کے خلاف اپنے شدید ردعمل کا اظہار یوں کیا ہے:

ہائی جیکر بچ گیا ہم یرغمالی مر گئے
ہم نے جو بھگتا وہ اس کے جرم کا خمیازہ تھا
کیچ میں لت پت ہوا خون جوانمردی کا
مانگ کا سیندور تھا اور عارضوں کا غازہ تھا

(سانحہ اوجڑی کیمپ ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء)

لیکن روسی سامراج کے افغانستان پر قبضے کی مذمت میں افضل پرویز نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، وہ بھی ظلم اور ہوسِ ملک گیری کا شاخسانہ ہی تو تھا۔

بحیثیت مجموعی افضل پرویز کی نظم ہیت اور مواد کی ہم آہنگی کے نمونے پیش کرتی ہے۔ انہوں نے غزل، مثنوی، مسدس وغیرہ ہیتوں کے علاوہ آزاد اور معریٰ نظمیں بھی کہی ہیں۔ گیت لکھے، ہیتوں کے تجربے کیے، ہندی پوٹھوہاری، پنجابی اور انگریزی زبانوں کے لفظ استعمال کیے اور ہر لفظ نظموں اور گیتوں کی فضا میں اِک کیف زا تازگی سے آشنا ہوتا ہے۔ افضل پرویز کو ڈرامائی اور

اسلوبی انداز بہت مرغوب ہے اور ان کی زیادہ تر نظمیں مختصر افسانے اور مختصر ڈرامے کی ذیل
میں آتے ہیں۔ یہ نظمیں اپنے آغاز، انجام اور وحدت تاثر کے حوالے سے منفرد انداز کی حامل
ہیں اور وہ مختصر افسانے کے بعض سانچوں میں مکمل پہنچ کر کہانی کا سا اہم تاثر پیدا کرتی ہیں۔

سراپا فنون لطیفہ۔۔۔۔افضل پرویز ہمہ پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ وہ اردو، پنجابی اور پوٹھوہاری کے شاعروادیب ہونے کے ساتھ ایک نام ور موسیقار، مصور، خطاط، پہلوان، باکسر، گتکا باز، تلوارزن، صحافی، اداکار، گلوکار، براڈ کاسٹر، ترقی پسند اور خاکسار تحریک راول پنڈی شاخ کے سالاراعلیٰ بھی تھے۔ شخصیت کی یہ رنگارنگی، تنوع اور وسعت ان کی نظم ونثر میں بھی پوری طرح جلوہ گر ہوئی ہے۔

افضل پرویز کی پنجابی شاعری بے پناہ اہمیت کی حامل ہے۔ تنوع اور وسعت اس کا لازمہ ہے۔ انہوں نے خصوصاً گیت، نظم، غزل، ماہیا اور دوہا میں طبع آزمائی کی اور ان اصناف کی بنیادی روح کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے عصر سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ترنم اور پوٹھوہاری لہجہ آپ کی پنجابی شاعری کی خاص پہچان ہے۔ ''اس میں شک نہیں کہ 'ککراں دی چھاں' کی نظموں، گیتوں اور غزلوں کی زبان اور پیرایہ بیان پوٹھوہاری پنجابی ہے۔''(۸۴)

افضل پرویز پنجابی شاعری میں پوٹھوہاری رنگ کے نمائندہ ہیں کیوں کہ پانچ دریاؤں کی اس سرزمین، پنجاب میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جو آپس میں گہری مشابہت رکھنے کے باوجود اپنی اِک الگ شناخت بھی رکھتی ہیں۔ بقول احمد حسین احمد قلعہ داری:

> ''پنجابی زبان سے عام طور پر وہ زبان مراد لی جاتی ہے جو پانچ دریاؤں کی وادی میں بولی جاتی ہے۔ اس کا یہ مفہوم بہت وسیع ہے کیوں کہ ہندوپاکستان کی سرزمین جس میں پنجاب کا خطہ شامل ہے، بہت پرانی تاریخ کا حامل ہے، جس میں صدہا

تہذیبیں گذریں اور ہزار ہا بولیاں مروّج ہوئیں۔"(۸۵)

افضل پرویز شہری دیہاتی قسم کے آدمی تھے۔ ان کی شاعری میں بھی یہ دونوں آوازیں یک جا نظر آتی ہیں۔ وہ گاؤں کی معطر و شفاف فضاؤں سے بے حد متاثر تھے، گھڑے اٹھائے کمر لچکاتی مٹیاریں، بہتے جھرنے، بلند و بالا کوہسار، سرسوں کے پھولوں میں بھری چاندنی، کیکر کے پھول اور دیہات کا پُر خلوص اور بے تکلف طرزِ زیست بچپن ہی سے انہیں اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا اور پوٹھوہاری ثقافت کی خوشبو اُن کے کلام میں رچی بسی ہوئی ہے۔ روزنامہ "آزاد" لاہور میں افضل پرویز کی پنجابی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ان کی پنجابی شاعری سے پوٹھوہاری ثقافت کی مہکار کو جدا نہیں کیا جا سکتا، اس خوشبو کے سارے روپ ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔(۸۶)

لوک گیت سے افضل پرویز کا رشتہ جنم جنم کا ہے۔ "بن پھلواری" لوک گیتوں سے ان کی محبت اور دلی وابستگی کا ہی ثمر ہے۔ انہوں نے لوک گیتوں کے حصول کے لیے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ کاسہ لیسی کی، زنبور عسل کی مانند کلی کلی سے رس لیا۔ تب کہیں جا کر اپنے گیتوں کے چھتے میں شہد بھرا ہے۔ بقول افضل پرویز:

> "جب وہ ننھا سا لٹو تھا تو ماہیا گویا اس کی گھٹی میں پڑا۔ اب جبکہ وہ تگڑا افضل پرویز ہے تو کلاسیکی موسیقی کے ساتھ ساتھ لوک دھنیں اسے گھیرے رہتی ہیں۔ اس کا اول و آخر لوک دھنیں ہیں۔"(۸۷)

افضل پرویز کے گیت عوام کے دکھ سکھ کے ترجمان ہیں۔ رومان اور حقیقت کا امتزاج ان گیتوں کی شناخت ہے۔ زمستان کی کہر آلود فضاؤں میں جھومتی، لہکتی، سرسوں اور گندم، کاشتکار کے لیے بے مصرف دنوں میں مسرتوں کی کرنیں بکھیر دیتی ہے اور وہ گئے دنوں کو بے نقاب دیکھ کر کھیتوں میں پھیلی چاندنی کا حصہ بن جاتا ہے۔ گیت "پھلاں دی نمی نمی خوشبو" میں کسان کے چہرے پر اُتری چاندنی کو کچھ ایسی بے تکلفی اور سادگی سے پیش کیا گیا ہے کہ "ساوی پیلی لو" میں

خودشاعر کسان کی سطح پر کھڑا بے خود مجو رقص دکھائی دیتا ہے:

سریوں سونا لشکا مارے

فصلاں وچ لہہ آئے تارے

چار چوفیرے مستی چھل پئی   کنکاں نسریاں سریوں پھل پئی

ساوی پیلی لو

پھلاں دی نمی نمو خوشبو

افضل پرویز کو پوٹھوہار کی پسماندگی کا ہمیشہ سے دکھ رہا ہے۔ پوٹھوہار کی دانستہ پسماندگی اس کے بہادر جوانوں کو جنگ کا ایندھن بنانے کے شاخسانے ہی تو تھے۔ ذرائع پیداوار کی کمی جوانوں کو دور دیس جانے پہ مجبور کر دیتی اور سُندر ناریاں زندگی کے بہترین دن ان کے فراق میں گھل گھل کر گزار دیتیں اور جدائی کے ان لمحات میں ملن کی خواہش ماہیے کا رُوپ دھار لیتی۔ عورت کا اظہار عشق، دل کش بول، جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور عوامی امنگوں کے ترجمان خیالات، افضل پرویز کے گیتوں کی تاثیر میں بے پناہ اضافہ کر دیتے ہیں۔ بقول شریف کنجاہی:

> ''اوہناں دی پنجابی شاعری وچ لوک گیتی رنگ بڑا گوڑھا اے۔ اوہناں اپنے اردگرد کھلرے ہوئے لوک گیتاں دا اثر قبول کیتا تو اوہناں دا سوم رس پی کے گیت لکھے۔ جنہاں وچ اوہو سادگی ملدی اے تو بے تکلفی۔'' (۸۸)

دل منی تو بولیں ہس ماہیا	میں تینڈھی سہاگن ڈھولا
پر اکھاں نے نیڑے وس ماہیا	میں ڈاہڈی وراگن ڈھولا
میں کوٹھے تے آن کھلوتی	مینڈھا دل ان ودھا موتی

لوک گیت عموماً عورت کے جذبات کا ترجمان سمجھا جاتا ہے لیکن مرد بھی عشوہ و ادا کے برچھوں، نیزوں اور تیروں سے بچاؤ کے لیے اسے بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں۔ صنف نازک سختی کی طلب گار ہوتی ہے جب کہ صنف سخت نازکی اور ملائمت کی۔ مردوں کے گیت عام طور پر دوہے کا

روپ دھارتے ہیں اور ان دوہوں میں چاندنی راتوں کی ٹھنڈک اور باطن کی آگ یکجا ہو جاتی ہے۔افضل پرویز نے دوہوں کے سانچے میں اپنے نظریات وافکار کو بھی ڈھالا ہے:

کالے دیو دے پنجے وچ لغر جئی مٹیار
چن شہزادے دی راہ تکے رووے زار و زار

اس اجڑ تے اوس فصل دا انت اے مینوں بھاکھا
جتھے بنے بھکھیاڑ اپالی، گدڑ ہووے راکھا

دانے دانے تے مہر دی مہر لگی کاے راہکاں پلے سواہ ماہی
آپی مہرنے کوٹھیاں بھرلییاں ساڈے اوداں ہی حال تباہ ماہی

افضل پرویز راول پنڈی شہر کے باسی تھے۔ یہ شہر دارالحکومت کی اسلام آباد منتقلی کی بنا پر بے پناہ اہمیت اختیار کر گیا اور مختلف تحریکوں ،نظریات اور مختلف نظام ہائے فکر کی آماجگاہ بن گیا۔افضل پرویز واضح طور پر بائیں بازو سے متاثر تھے۔وہ انجمن ترقی پسند مصنفین راول پنڈی شاخ کے بانی ممبران میں شامل تھے۔(۸۹)

افضل پرویز اپنی نظموں میں رومانی کے ساتھ ساتھ ایک ترقی پسند، باشعور اور اپنے ماحول سے باخبر نظریاتی انسان کے رُوپ میں سامنے آتے ہیں۔طنز کے نشتر، بغاوت کے نعرے، ایک عقیدت مند زائر کی نیاز مندی کے ساتھ ساتھ گاؤں کے گھبروؤں اور بانکی مٹیاروں کے دلوں کی دھڑکنیں اور سانسوں کا اتار چڑھاؤ بھی رچا بسا ہوا ہے:

میں تے توں لاماں دے بالن
ایہہ گھر بیٹھے خوشیاں پالن
سانوں لئن شام سویرے
ایہہ تیرے نہ میرے

ایہناں فصلاں دا مختار توں ایں جابر نوں فیر اختیار نہ دے

کئی بازیاں ہُن تک ہاریاں نی اج ایہہ آخری بازی آ ہار نہ دے

افضل پرویز ایک ریفارمر کا رول بھی ادا کرتے ہیں۔ وہ مایوسی کو گناہ سمجھتے ہیں اور اگر کبھی مایوسی و نامرادی کی گھٹائیں ان کے قلب و نظر پہ چھاتی بھی ہیں تو وہ بہت جلد اپنے مقصد کے سہارے روشن دنوں کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ یہ رجائی پہلو اور توانا لہجہ تحریک اقبال، ترقی پسند اور خاکسار تحریک، عبدالحمید عدمؔ کے اثرات یا پھر افضل پرویز کی پہلوان طبیعت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ افضل پرویز پہلوان نہ ہوتے تو ممکن ہے ان کا کلام کسی اور رنگ میں ڈوبا ہوا ہوتا۔ ''نظم'' ویری سارا گراں گوئیے'' میں یہ پہلو کچھ یوں نمایاں ہوا ہے:

پوہلے تک جاں گاہ گڑھسی

نہیرے تک جاں دیہوں چڑھسی

دلوں اُڈیک رکھاں گوئیے

ویری سارا گراں گوئیے

رجائی پہلو کے سنگ سنگ ان کی نظموں اور گیتوں میں پنجاب کے دیہات کی فضا، عوامی لب و لہجہ، سادگی، خلوص، عوام کے دکھ درد کا احساس اور لوک گیت کی بے ساختگی اور بے تکلفی بھی جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ بقول عبدالرؤف فطرت:

''ان کی شاعری میں بڑی تومندی، رجائیت، عوام سے پیار اور ان کے دکھ سکھ میں ساجھے داری ملتی ہے۔ ان کی نظموں اور گیتوں میں پنجاب کے دیہات کی فضا اپنے تمام تر رنگوں کے ساتھ چھائی ہوئی ہے ان کے اشعار میں لوک گیتوں کی سادگی و پرکاری اور خلوص ہے اور کسی جگہ بھی وہ دھرتی اور دھرتی کے بیٹوں سے الگ نظر نہیں آتے ہیں۔ ان کے اشعار میں وقت کی دھڑکن صاف سنائی دیتی ہے۔''(۹۰)

افضل پرویز معاشرے کے داغوں، دکھوں اور المیوں سے نظریں چُرا کے نہیں گزرتے۔ وہ

جانتے ہیں کہ دیہات پھولی سرسوں، کیکر کے پھولوں اور پھولی دھریکوں کے علاوہ مفلوک الحال اور پریشاں خیالی کی تصویریں بھی پیش کرتے ہیں:

پنڈاں دکھڑے دھم مچاوندے نیں دوروں ویکھ نہ سکدے نین

شاعر معاشرے کے اس اعلیٰ طبقے کو متنبہ بھی کرتا ہے جو دیہاتوں کے دکھتے چہروں کو دیکھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ یہاں تو سکھ ہی سکھ ہے حالاں کہ یہ سب گاؤں کی صاف ستھری فضاؤں کا اثر ہوتا ہے، ورنہ ان کی محنت کا پھل تو سرمایہ دار لوٹ لیتا ہے:

بھکھ ویڑیاں بھنگڑے پاوندی اے فصلاں وچ چور چکار

لنہاں ہسدیاں رسدیاں کھیتیاں دے لشکارے اتے نہ جا

لنہاں لبیاں پوچیاں کوٹھیاں دے در کھول کے ویکھ وکھا

بقول طارق جلیل:

''پنجاب دے شمال مغربی حصے پوٹھوہار بارے پرویز صاحب دا مطالعہ بڑا وسیع اے۔ پوٹھوہاری تاریخ، ادب تے ثقافت اُتے پرویز ہوراں جناں عبور گھٹ ای لوکاں نوں حاصل ہووے گا۔''(۹۱)

پوٹھوہاری شاعری کے سارے روپ افضل پرویز کی شاعری میں نکھرے ہوئے رنگ میں ملتے ہیں۔ ایک مردانہ آواز، خود اعتمادی، پوٹھوہاری ثقافت کی قدامت اور عظمت و رفعت پر فخر کا بھرپور احساس اس شاعری کا لازمہ ہے۔ گاؤں کے مکینوں کی توہم پرستی اور کوے کے بنیرے پر بولنے سے دلبر کے آنے کی وابستگی کا اظہار بھی ہوا ہے:

کاں بولیا آن بنیرے میں چھج چھج اتھرو کیرے

افضل پرویز نے فراق کے درد کو عام، بول چال کی زبان میں کس سادگی اور بے تکلفی سے دو مصرعوں میں سمو دیا ہے اور چھاج میں چھانٹے جانے والے دانوں سے آنسوؤں کی تشبیہ ــــ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر کو پوٹھوہاری ثقافت کے تمام تر جزویات کا ادراک حاصل

ہے۔ بقول سجاد باقر رضوی:

''شاعری شدید جذبات کے شدید اظہار کا نام ہے اس لیے شعری زبان جذبات کی یا یوں کہیے کہ عوام کی زبان ہونی چاہیے۔''(۹۲)

اس حوالے سے خود افضل پرویز لکھتے ہیں:

''ادب برائے عوام تے عوام دی زبان وچ ہونا چاہی دا اے۔''(۹۳)

افضل پرویز دیہاتی اور گھریلو زبان کو خوب صورتی اور مہارت سے استعمال میں لاتے ہیں۔ پنجابی محاورہ اور روزمرہ کا خوب صورت امتزاج، سادہ زبان، تکلف نام کو نہیں۔ نظم میں افسانوی اور ڈرامائی انداز افضل پرویز کو بہت مرغوب ہے۔ منظوم افسانہ اور منظوم ڈراما کی مثالیں تقریباً ہر نظم میں مل جاتی ہیں۔ نظم ''عشق بنیرے'' میں عوام کی بیداری، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے حیلوں سے آگہی کو دل کش ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ ''نویں لوک کہانی'' بھی افسانوی انداز کی حامل ایک خوب صورت ایمائی اور طنزیہ نظم ہے۔ افضل پرویز نے ہندکو میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن پشاور اور ہزارہ کی ہندکو کے برعکس یہ ہندکو پنجابی پوٹھوہاری کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ ''سونہاں کلیاں'' اس کی نمایاں مثال ہے۔

''باراں ماہ'' پنجابی کی ایک کلاسیکی صنفِ سخن ہے۔ افضل پرویز نے ایک کامیاب ''باراں ماہ'' لکھ کر لوک انگ کا سکّہ بھی منوالیا ہے اور اپنے خیالات و نظریات کو بھی مختلف مہینوں کے موسموں کے حوالے سے زبان عطا کی ہے

افضل پرویز کی پنجابی غزل، رومان کے ساتھ ساتھ تلخ حقائق، سماجی مسائل، معاشی الجھنوں اور سیاسی پس منظر کے دل کش نمونے پیش کرتی ہے:

اُچے پینگ ہُلارے لین دا ہِکا اے
سروں دو پٹالتھ کے گل وچ پھاہ پایا
چوراں یاراں جج کیتے

قبراں چونے کچ ہوون

کوئی بلدی مشال لے تریئے

چن نہ نکلے تاں ہور کی کریئے

فنی حوالے سے افضل پرویز کی غزل عموماً چھے، سات یا آٹھ شعروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ زبان عام بول چال کی سادہ اور بے تکلف ہوتی ہے۔ سادہ قافیوں کے ساتھ ساتھ مشکل قوافی بھی استعمال کیے ہیں۔ جو ان کے تجربے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ مختصر بحور کے ساتھ ساتھ طویل بحریں بھی برتی ہیں۔ ''ٹکراں دی چھاں'' کے آخر میں غالب کی ایک غزل کا ترجمہ، جو خوب صورت تخلیقی انداز لیے ہوئے ہے، ماسوا ایک شعر کے

گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ شعر لفظی ترجمہ کی سطح سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

الختصر افضل پرویز کی پنجابی شاعری اپنی اک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ نظم ہو یا غزل، دوہا، گیت یا ماہیا کائنات کا دکھ اور ذات کا دکھ باہم گھلے ملے نظر آتے ہیں۔ بقول افضل پرویز:

''اُچّی تے نروئی شاعری دا ایہو ست اے پئی ذات دا دکھ کائنات دا تے کائنات دا دکھ ذات دا دکھ بن جاندا اے۔'' (۹۴)

افضل پرویز کی شاعری چوں کہ عوام کے دلوں کی دھڑکنوں کی امین ہے اس لیے اس کے زندہ رہنے کے امکانات بھی موجود ہیں:

کچیاں گھڑیاں وانگر ویلے دے ہڑ وچ کھر جاساں

باقی رہ جاون گے ساڈے کچے پیار دے قصے

خارج اور باطن کا آئینہ

دل کو خون کیا ہے ہم نے تب یہ گیت کہے
وہی گنی اِن کو پرکھے گا جس نے درد سہے

''غم روزگار کے'' کا سب سے دل کش حصہ دوہوں پر مشتمل ہے جہاں دوہے کی بنیادی روح کو برقرار رکھتے ہوئے عصری مسائل، آفاقی سچائیوں اور رومانی کیفیات و تاثرات کو گوندھا گیا ہے۔ بقول جمیل ملک:

''دوہوں میں شاعر کا یہ رویہ صرف شعوری ہی نہیں ہے بل کہ: مین سے اس کی محبت اور اس کی خوئے آوارگی سے بھی پھوٹتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے جیسے یہ بنجارہ لوک گیتوں کی تلاش میں گاؤں گاؤں، نگر نگر گھومتا ہوا تاریخ و تہذیب کے چیستانوں میں کہیں بہت دور نکل گیا ہو اور دوہوں کے روپ میں ایسی سچائیاں سمیٹ لایا ہو جس میں لوک گیتوں کی ''بن پھلواری'' بھی مہک رہی ہے۔''(۹۵)

افضل پرویز دوہے کے مزاج آشنا ہیں اور عہد بہ عہد بکھری ہوئی سچائیوں کا ادراک بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے صنف دوہا میں جو اشلوک دیے جو حقائق مقید کیے ہیں اور جھوٹ سچ کی پہچان میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صنفِ دوہا کے شیدائی ہیں۔ انہوں نے اس صنف میں شخصیت اور فکر و فن کی داخلی و خارجی پرتوں کو خوب صورتی اور کامیابی سے پیش کیا ہے۔ بقول جمیل ملک:

''دوہا اردو شاعری میں فرد سے زیادہ قریب آجاتا ہے لیکن مزاج کے اعتبار سے دوہے کی بنیاد میں جو روحانی گہرائی، سُر سنگیت کا جو تصور اور لہجے کی اٹھان موجود ہے

وہ فرد میں بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوہا تلسی داس، میرا بائی، امیر خسرو، خان خانان
اور دوسرے صوفی شعراء کے ہاں روحانی تعلیم کا موثر ذریعہ رہا ہے۔" (۹۶)

شعر جب کہاوت بن جائے تو بہت بڑا اور آفاقی شعر ہوتا ہے۔ حافظ، غالب، سعدی، اقبال، وارث شاہ۔ بلھے شاہ، شاہ حسین، میاں محمد اور شیکسپیئر وغیرہ کے اشعار ایسی ہی خاصیت رکھتے ہیں۔ افضل پرویز کے دوہوں میں بھی آفاقی سچائیوں کو سمیٹا گیا ہے جو ہر عہد اور ہر دور کا ساتھ دے سکتی ہیں۔ افراتفری اور انتشار کے دور میں کوئی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اس کیفیت کو کس خوب صورتی اور مہارت سے دو مصرعوں میں سمیٹا ہے:

اندھیاری راتوں کے راہی رات ہے ایسی گھور
شرن کی خاطر دستک☆ دو تو بستی جانے چور

تاش پتے باز ہے ظالم اس کی بات سنو
ڈکیاں، تکیاں اُلٹائے اور کہے کہ شاہ چنو

اس دور میں پتے بازی کے کھیل سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ایوب خان کی قائم کردہ بنیادی جمہوریتوں پر بھرپور طنز ہے۔ ایوب خان کے دور میں عام لوگوں کو جتوا کر اندھوں میں کانا راجا کے محاورے کو تازگی بخشی گئی جو عام آدمی کامیاب ہوتا وہ ڈکی تکی کے برابر ہوتا ہے، اس طرح ایوب خان کی کرسی محفوظ رہتی تھی اور یہ ایک عام حقیقت بھی ہے کہ اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کے لیے لائق فائق لوگوں کو اقتدار سے دور رکھا جاتا ہے۔ آج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے:

اندھوں میں بسرام کرو اور یونہی سنوارو کاج
کانے بھینگے ہوتے ہوئے بھی بنے رہو مہاراج

ناانصافی اور استحصال کے ادوار میں ہر شریف آدمی اک انجانے سے خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں اسے بھی دہشت گرد قرار دے کر زنداں میں نہ ڈال دیا جائے:

گلشن میں بلبل کی اسیری پر قمری بھی ڈری
وہ بھی ہے نرروش اور اس کی کوک ہے سوز بھری

یہ ایک عام سچائی ہے کہ سوکن کا وجود عورت کی برداشت سے باہر ہوتا ہے:

بھاڑ میں جائے ایسا ساجن کھوٹ ہو جس کی گوت
ایسی سہاگن سے رانڈ اچھی جس پر آئے سوت

زندگی کے مقاصد کا حصول آسان نہیں۔ مسلسل جدوجہد اور تگ و دو ہی رکاوٹوں کو پھاند سکتی ہے:

کیچ ہی کیچ ہے نیل کنول تک کائے کروں اُپائے
اک پگ کھینچ نکالوں دوجا اور بھی دھنستا جائے☆

چاتر چور کے نزدیک ایک ہیں چور اور تھانیدار
ایک چوری میں پکڑے دُوجا اس میں حصے دار

جہاں ہر چیز کا بھاؤ برابر ہو، یہ بھی تو ناانصافی ہے:

بڑا گرو تھا وہ جوگی جس نے یہ شبد کہے
یہاں تو کھا جا بھاجی ایک ہی بھاؤ بکے

زندگی تضادات سے عبارت ہے اور رکاوٹیں ہی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں:

غیر نے مجھ کو چاہا تو تم بھی جانو گنوان
پتھر پر کس کر ہوتی ہے سونے کی پہچان☆

بھانت بھانت کی گھٹناؤں نے دھیان چڑھایا سان
گھاٹوں گھاٹوں زہر پیا تریاق ہوا اب گیان

ان دوہوں میں زندگی کے نشیب و فراز سے آگہی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ گہرا مشاہدہ، منظر کشی اور مصوری کے نمونے بھی ہیں۔ جس طرح پہاڑ کے مکینوں کے مکانوں کی ایک چھت دوسرے کا ویڑہ بنتا ہے بالکل اسی طرح زندگی کے نشیب و فراز بھی ہر آدمی کے نزدیک مختلف اہمیت رکھتے ہیں:

جیون ایک پہاڑ ہے پگ پگ اونچائی نیچائی
میرے گھر کی چھت بن جائے تیرے گھر کی انگنائی

افراتفری، انتشار اور ظلم و ناانصافی کی تاریک راتوں میں اہل اور نااہل برابر ہو جاتے ہیں جب کہ امن و آشتی اور عدل و انصاف کی صبح ہر شے کی قدر پہچان لیتی ہے:

رات بڑی ڈائن ہے کالا پیلا ایک کرے
اُوشا کی ہے جو ہر آشا اصلی روپ بھرے

رومان ہر شخص کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے۔ افضل پرویز کے درج ذیل دوہوں میں رومان، حقیقت اور روحانیت کی چاشنی ملتی ہے:

ایک آدرش کی کھوج میں بھنورا چوسے کلی کلی
بات اس کے ہرجائی پن☆ کی گھومے گلی گلی

من کو چھوڑ دیا تم نے عجب سنسان ہوا
ویران گھر تھا کتنی پریتوں☆ کا استھان ہوا

چندر مان سا مکھ دکھلا کر پی کا درشن پاؤ
پریم کی چھب دیکھن کو گوری☆ روپ کی جوت جگاؤ

مجھے دیکھنا ہو تو آؤ چلمن اوٹ ہٹائے
اوٹ! نہ صرف تمہیں مجھ سے☆ مجھ کو بھی تجھ سے چھپائے

ٹھری کٹار کا چرکا ہو تو کوئی دوائی بھی دے
نین کا گیت کچوکا لاگا لاجو کس سے کہے

دوہوں میں ذاتی حالات و واقعات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ افضل پرویز اور باقی صدیقی کی چشمک میں باقی صدیقی کے حامی ابوسعید قریشی کے خلاف یہ دوہا لکھا اور اس کی میز پر رکھ دیا:

ایک قریشی سرور عالم۔ ایک بُوجہل کٹھور
میں بھی قریشی تو بھی قریشی میں شاہد تو چور

افضل پرویز کا نثری سرمایہ نہایت وقیع اور قابل قدر ہے۔ نظم کی طرح اُن کی نثر بھی متنوع جلوؤں کی حامل ہے اور اُن کی ہمہ جہت شخصیت کے جوہر پوری طرح نثر میں کھلتے ہیں اور عوام کے دل کی دھڑکن بھی صاف سنائی دیتی ہے لیکن اُن کی بنیادی حیثیت لوک ادب کے محقق ہی کی ہے۔ بقول جمیل ملک:

> ''اُنہوں نے ٹھوس تحقیقی کام کیے ہیں ، نثر میں تحقیقی کام بڑا مستند اور منفرد ہے۔''(۹۷)

> ''مشہور شاعر تے ادبی ہون توں وکھ لوک ادب دے وڈے کھوجی ہن۔''(۹۸)

افضل پرویز ہر قسم کے ابہام اور الجھاؤ سے پاک نہایت سادہ، سلیس اور رواں نثر لکھتے ہیں۔ ان کی نثر داستانوی طلسماتی، شخصی اور علمی تینوں رنگوں کا حسین امتزاج ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ پوٹھوہاری ثقافت کی داستان بیان کرر ہے ہیں۔ مرد تحقیق ہونے کے باوجود اعلیٰ ادبی معیار قائم رکھا ہے اور لفظ کے استعمال میں سلیقے اور ہنر مندی کا مظاہرہ کیا ہے: بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''لفظوں کی فضول خرچی اور ان کا بے جا استعمال نثر نگار کا سب سے بڑا جرم ہے۔''(۹۹)

افضل پرویز نے اپنی تحقیق کاوشوں کو تنقیدی اور تخلیقی حسن عطا کیا ہے۔ وہ لفظ کے تخلیقی استعمال میں مکمل مہارت رکھتے ہیں اور لفظوں کی فضول خرچی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ایجاز واختصار اُن کی نثر کا خاص وصف ہے۔ اُنہوں نے اردو زبان کی مزاج دانی کا بھی مکمل ثبوت فراہم کیا ہے۔ اُن کے

ہاں محاورات کا استعمال آمد کی روشنی دیتا ہے اور لفظ ہاتھ باندھے باادب کھڑے دکھائی دیتے ہیں:

''میں اُن دنوں پڑھائی سے بھاگ بھاگ جاتا اور دیہاتی فضا میں پہنچ کر یوں محسوس کرتا کہ مدت کے بعد اپنے گھر پہنچ گیا ہوں۔ کھلے کھیتوں اور اُونچے ٹیلوں پر یوں سُکھ کا سانس لیتا گویا بدذوقی کے بندی خانے سے نکل کر استغنائی کی وسعت اور انترے کی بلندی پر پرواز کر رہا ہوں۔ کسی الہڑ مُیار کو دو دو تین تین گھڑے اُٹھائے۔ کمر لچکاتے اور موباف لہراتے دیکھتا تو گھڑے کے چھلکتے پانی کی طرح اس پر سے نچھاور ہو جانے کو جی چاہتا۔ کسی بانکے گھبرو کو گھنگھروؤں کی تال پر بیلوں کو ٹچکارتے سُنتا تو اس سے لپٹنے کو تیار ہو جاتا۔''(۱۰۰)

''بن پھلواری'' افضل پرویزؔ کی پہلی باقاعدہ نثری کتاب ہے۔ اس میں اپنی دھرتی اور اس کے باسیوں سے قلبی لگاؤ کا اظہار ہوا ہے۔ افضل پرویزؔ نے اپنی دھرتی کی آواز اور پوٹھوہاریوں کے جذبات کو صفحۂ قرطاس پہ محفوظ کر لیا ہے۔ چوں کہ انسان دوستی اور عوام دوستی افضل پرویزؔ کی زندگی کا مقصد ہے اس لیے اس کتاب میں انہوں نے وہی گیت جمع کیے ہیں جو لوک درد اور انسان دوستی کے شریفانہ جذبات سے معمور ہیں۔ بقول احمد سلیم:

''بن پھلواری کے صفحات کی ورق گردانی کرتے ہوئے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ان گیتوں کے بنجارے نے اپنا رشتہ ٹھہرے ہوئے پانی کے تالابوں کے ساتھ نہیں بلکہ دریاؤں کے بہتے پانیوں کے ساتھ جوڑا ہے۔ سو اس کتاب کے گیت بھی چلتے پانیوں کی طرح ہیں۔''(۱۰۱)

آغاز'' گاؤں گاؤں پھرا بنجارہ'' میں افضل پرویزؔ نے لوک گیت سے اپنی گہری دلچسپی اور گیتوں کے حصول میں حائل رکاوٹوں کا ذکر بڑے دلکش پیرائے میں کیا ہے اور گاؤں گاؤں، گلی گلی گھوم کر یہ گیت جمع کرنے کا دعویٰ بھی کیا ہے:

''زیادہ تر شادی بیاہ کے موقعوں پر میں نے خود چھپ چھپ کر گیت سمیٹے ہیں۔

ایسے ہی جیسے انو کسی ڈولی پر نچھاور ہوتے ہوئے پیسے لوٹا کرتا تھا۔"(۱۰۲)

مرتب کا یہ دعویٰ درست ہے کہ کیوں کہ "بن پھلواری" میں شامل دو چار گیتوں کے سوا ایک گیت بھی چھپا ہوا نہیں ملتا ہے اور یہ دو چار گیت بھی وقتاً فوقتاً "امروز" میں چھپنے والے افضل پرویز کے مضامین سے چُرائے گئے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب کے چند مقبول عام گیت، جو دوسری کتابوں میں غلط شکل میں ملتے ہیں افضل پرویز کے ہاں اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں۔تیسری بات یہ کہ افضل پرویز نے ان گیتوں کی لوک دھنوں کو بھی محفوظ کر لیا ہے اور یہ انوکھا کام افضل پرویز جیسا ماہر موسیقی ہی کر سکتا تھا:

"چنانچہ گھریلو گیتوں کی دُھنوں کے لیے مجھے اپنی بیوی کی خدمات حاصل کرنا پڑیں____ گیت وہ لکھ لیتی، دھنیں یاد کر لیتی اور مجھے منتقل کر دیتی۔ میں خود چھوٹی لڑکیوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا، کہانیاں سناتا، مٹھائی دیتا، گیت گاتا اور پھر فرمائش کر دیتا کہ وہ گیت سنائیں۔شرماتی لجاتی ہوئی تحت اللفظ سُناتیں، میں منہ۔۔ور کر اور روٹھنے کے انداز میں ضد کرتا کہ وہ گا کر سُنائیں۔ جس طرح ان کی ماں یا وڈے (بڑی بہن) گاتی ہے۔مثلاً ڈولی کا گیت جو یوں گایا جاتا ہے:

ڈولی نال بیڑے مہاراج کرینا ہیڑے

ڈولی کی آون دے

میں ڈولی کا گیت گاتا، اُن سے پوچھتا کہ ٹھیک ہے نا____ یوں وہ بتدریج مجھ سے گھل جاتیں اور ننھے مُنّے گیت پیاری پیاری آوازوں میں میرے کاسے میں "جھن جھن" گرنے لگتے ہیں۔"(۱۰۳)

یہ گیت پوٹھوہار کی مکمل نمائندگی تو کرتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کہ پوٹھوہار کے گیت یہی کچھ ہیں درست نہیں۔(۱۰۴) بیرونی حملہ آوروں اور شورشوں سے متعلق اس کتاب میں گیت نہیں ملتے۔مثلاً:

ے آیا نادر

پھٹی چادر

اور

ے بک سیا پاہُس مُغلے دا

اس حوالے سے دو مشہور گیت ہیں۔ ''بن پھلواری'' دراصل خطۂ پوٹھوہار کی پچاس ہزار سال پرانی شان دار تاریخ کے نغمے گاتی ہے۔ افضل پرویز نے اس دھرتی کے مذاہب، عقائد ورسوم، موسموں، فصلوں، محبت، بہادری اور ایسے ہی دیگر موضوعات کو گیتوں میں تلاش کیا ہے۔ عوام کی آسوں، پیاسوں کے ترجمان گیت، اُن کے نظریات اور شخصی پسند و ناپسند کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ بقول شیلا بھاٹیا:

> "Afzal Pervez has described the land, people and situations in Urdu while melodies he collected are in Punjabi. His main aim is not to preserve these melodies and dances but to widen their people." (۱۰۵)

اس کتاب کی بنیاد پر شیلا بھاٹیا بھارت سے ایک اوپیرا (Opera) یعنی سنگیت، ناٹک یا غنائی تمثیل میں کئی برس تک پیش کرتی رہی ہیں۔ اس تمثیل ''جگنی'' میں انہوں نے افضل پرویز کا کردار بھی انور کے نام سے شامل کیا تھا۔

''بن پھلواری'' کی ترتیب و تزئین میں موسیقار اور مصور افضل پرویز، محقق افضل پرویز کی بھرپور معاونت کرتے ہیں۔ گیتوں کے ہر باب کو تصویر کا رُوپ دیا گیا ہے۔ ہر باب کو تصویر کا رُوپ دے کر ان گیتوں کو ایک نئی آواز، نئی زبان دی گئی ہے۔ ان لوک گیتوں کو نہ صرف سرگموں کی خلعت پہنائی گئی ہے بلکہ رُوپ کا حُسن بھی دیا گیا ہے:

''لوک گیتوں کی دھنوں کے علاوہ ان دیہات کے نظارے۔۔۔۔روزانہ زندگی

اور رسم و رواج کے نقوش بھی اپنے ذہن کی پلیٹ پر منتقل کر دیے ہیں۔ اس لیے
الفاظ کے علاوہ خطوں اور زاویوں میں بھی اس کتاب میں کچھ تاثرات پیش کر رہا
ہوں کہ مجھ سے بہتر ان کی عکاسی کوئی نہیں کر سکتا۔" (۱۰۶)

"گیتوں کی دُھنیں دیسی سرگم میں بھی دے دی گئی ہیں اور ساتھ ہی مغربی (Staff
notation) بھی کر دی ہے کہ موسیقی جاننے والے ان سے استفادہ
کر سکیں ____ پاکستان اور ہندوستان میں ہماری اس اُپج کو اوّلیت حاصل
ہے۔" (۱۰۷)

کچھ لوک گیتوں کے منظوم اردو تراجم بھی گیتوں کی اصل ہیئت اور بحر میں کیے گئے ہیں۔ یہ پہلو
بھی پنجابی لوک ادب کی تاریخ میں شاید اوّلیت کا حامل ہے۔ ان اردو ترجموں کی روانی اور دلکشی
یکے کرار دو کے عوامی زبان ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

پوٹھوہار اور پوٹھوہاری زبان کی تاریخ اور ان کے ناموں کی توضیح بھی ملتی ہے:

"پوٹھوہار دراصل "پوپ ہار" یعنی "پھولوں کا ہار" سے بنا ہے اور بگڑ کر پوٹ ہار اور
پھر پوٹھوہار ہو گیا۔" (۱۰۸)

"بن پھلواری" میں لوک گیتوں اور پوٹھوہاری ثقافت کے محقق افضل پرویز کو مصور، موسیقار اور
ادیب افضل پرویز کا مکمل تعاون حاصل ہے۔ اسلوب بیان، ادبی چاشنی کا حامل اور موضوع سے
مطابقت رکھتا ہے۔

"چھنی کی شادی" میں افضل پرویز نے عام بول چال کی سادہ اور رواں زبان لکھنے پر قدرت کا
ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہ مختصر سی کتاب تعلیم بالغاں کے لیے لکھی گئی چار کہانیوں پر مشتمل ہے جو عام
سچائیوں پر مبنی سبق آموز کہانیاں ہیں۔ ان میں لوک کہانیوں کا انداز اور اثرات نمایاں ہیں۔

"نواہائے راز" اگرچہ قدیم سازوں سے لے کر جدید سازوں کے ارتقاء پر مبنی ہے لیکن اس
میں خطۂ پوٹھوہار کی ثقافتی برتری کی داستان ہی سنائی گئی ہے۔ بقول ڈاکٹر خالد سعید بٹ:

"زیر نظر کتاب قدیم عوامی سازوں سے لے کر جدید سازوں تک کے ارتقاء کی

داستان سناتی ہے۔"(۱۰۹)

یہ کتاب پاکستانی ثقافت اور موسیقی، لوک سنگیت، دُھنوں اور کلاسیکی موسیقی، موسیقی کے آثار و تواریخ اور موسیقی کے عوامی سازوں، تار کے ساز، پھونک کے ساز، ضرب کے ساز، کلاسیکی سازوں، سازوں کے ساز و سامان، اجنبی سازوں، نغمہ طرازوں، ساز نوازوں اور سازوں کی کارسازی پر مفصل روشنی ڈال کر ایک معیار قائم کرتی ہے:

"پاکستان کے سنگیت ساز جو اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، معیار اور مواد کے اعلیٰ پیمانوں کی طرف ایک قدم ثابت ہوگی۔"(۱۱۰)

پاکستانی موسیقی کی جڑیں ہماری قدیم ترین ثقافت کے عظیم ترین ماضی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر اُٹھنے والے سُروں نے دور دراز کے علاقوں اور تہذیبی پسماندگی کے شکار منطقوں کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دامن میں وہ فطری لچک بھی برقرار رکھی جو ارتقاء کا سبب ہے۔ اسی ارتقاء نے پاکستانی موسیقی کو حسن، تنوع اور تاثیر کے ساتھ ساتھ، بامعنی گداز بھی عطا کیا ہے جو موسیقی کی دنیا میں منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ موسیقی کا یہ تنوع اور حُسن، سُر اور آواز کے علاوہ آہنگ و تحرک میں بھی نمایاں ہے۔ پاکستان کے جغرافیائی خصائص اور ثقافتی رنگارنگی پاکستانی موسیقی میں بھی بہت نمایاں ہے۔ حتیٰ کہ سُر اور آواز کے باہمی تعلق سے علاقے اور ثقافت کی پہچان کی جا سکتی ہے۔ یہ وصف سازوں کی ہیت اور ساخت میں ہے۔ پاکستان کے زیادہ تر سازوں کا سلسلۂ نسب ہمارے قدیم ترین سازوں سے جا ملتا ہے جو صدیوں سے اس خطۂ ارضی میں لوگوں کو سرمستی و سرشاری سے آشنا کر رہے ہیں اور جو لوگوں کی تہذیبی زندگی کا ایک اہم عنصر بن چکے ہیں۔

اس کتاب میں پاکستانی سازوں کی تعریف و تاریخ کے علاوہ ان کی فنی و تکنیکی باریکیاں: ساخت اور اقسام، کارکردگی اور داخلی و خارجی ہیت کا مکمل تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے تار کے ساز، پھونک کے ساز، ضرب کے ساز، کلاسیکی ساز اور اجنبی ساز جیسے ابواب کے ساتھ ساتھ ہمارے ساز نواز اور موسیقی کے عوامی ساز جیسے قابلِ مطالعہ پہلو بھی شامل کیے ہیں۔ اُن کی یہ

تخلیقی کاوش بے پناہ داد وتحسین کی مستحق ہے۔ سازوں کی تصاویر اور اسکیچ بھی کتاب میں شامل ہیں تاکہ قاری سازوں کی ساخت اور بناوٹ سے بھی آگاہ ہو سکے۔ چند موسیقاروں اور سازنوازوں کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب یقیناً معیار اور مواد کے اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہے۔ زبان موضوع سے مطابقت رکھتی ہے اور ادبیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے مخصوص ترقی پسندانہ عوامی خیالات کا اظہار بھی کر جاتے ہیں اور زبان خوب صورت، دلکش اور بے تکلفی کے انداز اپنائے ہوئے ہے:

''اُونچے درمیانے طبقے کے شہری دانشوروں کی طرح دیہی تہذیب وثقافت کو گھٹیا سمجھ کر یا بے سمجھی میں نظر انداز کر جاتے ہیں جبکہ بھرپور اور کھری اجتماعی ثقافت تو وہیں پروان چڑھتی ہے جہاں بیاسی فی صد آبادی ساجھے داری سے کام کرتی ہے۔''(۱۱۱)

چٹھیاں (میاں محمد بخش کے منظوم خطوط) بھی ایک تحقیقی وتنقیدی کاوش ہے جس میں میاں محمد بخشؒ کے منظوم خطوط کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے قصہ سیف الملوک میں شامل پانچ خطوط جو مختلف کرداروں کی وساطت سے لکھے گئے ہیں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

''ان چٹھیوں میں بھی میاں صاحب نے اپنے پاکیزہ نظریات، شاعرانہ اُپج اور اعلیٰ فنی کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔''(۱۱۲)

ان خطوط کا پس منظر اور تراجم بھی پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد میاں صاحب کے ذاتی منظوم خطوط یکجا کیے گئے ہیں جو اُنہوں نے مختلف اوقات میں دوست احباب کو لکھے تھے۔

میاں صاحب کی شخصیت، کلام اور کلام اور شخصیت کے باہمی تعلق پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ گلہڑ جو میاں صاحب کی شادی میں رُکاوٹ کا باعث بنا اور اس واقعہ نے اُن کی زندگی میں جو اہمیت اختیار کی اس کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے افضل پرویز لکھتے ہیں:

''غمِ ذات نے ہی میاں صاحب کو ترکِ ذات، ترکِ خواہشات اور جذب وکشف کے بیابان میں پہنچایا۔ اُنہوں نے علوم ظاہری سے علوم باطنی کی طرف سفر

کیا۔"(۱۱۳)

ذات کی تلاش کے ساتھ ساتھ شاعرانہ خلاقیت اور اُپج کے نقوش بھی کامیابی سے اُجاگر کیے گئے ہیں۔شاعر کے طے شدہ معیارات اور شعریت کے امتزاج پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

"ان میں میاں صاحب کی اپنی ذات بھی پورے سروپ اور حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔شاعرانہ خلاقیت بھی جوبن پر ہے۔فلسفۂ اخلاق اور عشق بھی صحیح صورت میں عیاں ہے۔"(۱۱۴)

میاں صاحب کی انسان دوستی، غلط رسوم ورواجات کے خلاف جہاد، عمل، قناعت، نیکی، محبت، بین الاقوامیت، کٹر پن اور غلط روایات واقدار کی مخالفت کے پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔اس طرح مصنف کی ذاتی پسند و ناپسند اور شخصیت کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے اور میاں صاحب سے عقیدت کا اظہار بھی ملتا ہے:

"میاں صاحب کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پہاڑ کے لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور میاں صاحب کی مثنوی "سیف الملوک" پڑھ کر مومن ہوئے۔"(۱۱۵)

افضل پرویز نے اُن کے کلام کے حرکی اور عملی پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے اور کلام کی تاثیر و روانی کو اُن کی سب سے بڑی کرامت قرار دیا ہے۔میاں صاحب کے کلام کی عوامیت اور آفاقیت افضل پرویز کو بھی اپنا اسیر کر لیتی ہے۔

میاں صاحب کے کلام میں مردِ مومن یا مردِ حق کے تصورات کی اوّلیت کو بھی نمایاں کیا گیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اقبال تو نطشے سے واقف تھا لیکن ۱۸۵۹ء میں میاں محمد کو نطشے کے تصورات سے آگاہی نہ تھی۔اُن کے تصورات پر اسلام، پیرِ رومی اور تصوف کی مثبت تعلیم کا اثر ضرور ہے۔

"ان چٹھیوں میں وہ خود ایک ایسے مردِ حق ___ مردِ مومن اور انسانِ کامل کی صورت میں اُبھرتے ہیں۔"(۱۱۶)

افضل پرویز کی زبان خالصتاً تنقیدی اور تحقیقی و توضیحی مطالب سے میل کھاتی ہے۔ میاں صاحب کے کلام کے منظوم اردو تراجم بھی پیش کیے گئے ہیں جو تخلیقیت سے عاری ہیں۔ ہاں لفظی یا پابند ترجمے کے نمونے ضرور ہیں۔ چٹھیوں کے نثری ترجمے البتہ سادگی و روانی اور خوب صورتی و دلکشی میں بے مثال ہیں۔

''لوک تھیٹر'' کو بڑی لگن اور جان کاری سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے آغاز ''تحیّر زار'' میں سوانگ کی طلسماتی فضا کا نقشہ بے پناہ افسانویت اور جاذبیت کا حامل ہے۔ گلابی موسم میں نیم خوابی کے عالم میں ننھا افو کیسے سوانگ کے حیرت کدے میں پہنچ گیا تھا، اس راز کو جاننے کے لیے افضل پرویزؔ، لوک ادب، لوک موسیقی اور لوک دھنوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے اور پوٹھوہاری ثقافت کی عظمت و رفعت کے گیت گاتا رہتا ہے۔ پاکستان کا وہ علاقہ جو وادیٔ سندھ، گندھارا اور سوہاں وادی کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے، پوری دنیا میں قدیم ترین تہذیب و تمدن اور معاشرت کا امین ثابت ہو چکا ہے۔ اسی خطہ کو افضل پرویزؔ نے سوانگ کے حوالے سے بھی متمول ثابت کیا ہے۔

اس کتاب میں سوانگ، سوانگ کی اصطلاحات، سوانگ پیش کرنے کے قرینے اور سوانگ رچانے والوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقبول اور مروّج سوانگ مثلاً ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، سسی پنوں، شاہ بہرام، پورن بھگت اور روڈا جلالی وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے اور ہر سوانگ کے پس منظر، پیش کرنے کے طریقوں، کرداروں اور سنگھار (Make Up) کے ہر پہلو کو باریک بینی سے اُجاگر کیا گیا ہے۔

افضل پرویزؔ زیرِ بحث موضوع کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ بات کو ادھورا نہیں چھوڑتے اور کہیں بھی ابہام کا احساس نہیں ہوتا۔ مدلل پیرایۂ بیان اور اکثر اوقات خوب صورت ادبی جملے صفحۂ قرطاس کی نذر کرتے ہیں۔

> ''ان کی آنکھیں کاجل کی تحریر سے بدکی ہوئی ہرنیوں کی آنکھوں کی طرح بڑی اور چیر ویں بنائی گئی تھیں۔'' (۱۱۷)

افضل پرویز نے خوب صورت زبان برت کر لفظ شناسی کا مکمل ثبوت فراہم کیا ہے۔ سلیس، سادہ اور رواں دواں نثر کو کہیں بھی جھٹکا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ افسانویت بھی اُن کی نثر کا ایک خاص وصف ہے:

''سارے تماشائی اس نشے میں شرابور اور اسیر، سحر ہونے تک وہیں ٹھٹکے رہے گویا کسی جادوگرنی نے اُنھیں بس پتھر کر دیا ہو۔'' (۱۱۸)

لوک ورثہ یا لوک ثقافت کو محفوظ کرنے کا رجحان اُن کی عوام دوستی کا مظہر ہے۔ سوانگ اور زندگی کے باہمی تعلق پہ بات کرتے ہوئے وہ دبے لفظوں میں اپنے نظریات کا اظہار بھی کر جاتے ہیں:

''وہ دیوار پڑیاں ہوتے ہوئے بھی ہمارے کام کاج۔ آئے دن کے دُکھ سُکھ۔ امیدوں اور آرزوؤں کی راس ہی رچا رہے تھے۔'' (۱۱۹)

یہ کتاب بھی دراصل افو کو کھوجنے کی ایک کوشش ہے جو بہت بچپن میں سوانگ کے حیرت کدے میں کہیں کھو گیا تھا:

''سوانگ کا وہ حیرت کدہ انہی مرحلوں کے تار و پود نے بُنا تھا جو افو کے کچے ذہن پر نقش ہو گیا۔ لیکن جب وہ افو سے محمد افضل ہو گیا تو اس نے اس تار و پود کی گتھیوں کو کھولنے اور جاننے پہچاننے کے ساتھ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس کا شغل بے کار اختیار کر لیا۔'' (۱۲۰)

''پوٹھوہار کی جھیل'' ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جو رحمان مُذنب اور حامد جلال کے تعارف اور دیباچے کے ساتھ چھپا ہے۔ اس میں افضل پرویز کا مضمون ''جگنی اور راول'' شامل ہے جسے ۱۹۶۱ء میں راول ڈیم کے افتتاح کے موقع پر ڈرامائی تشکیل دے کر تابلو کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس مضمون میں پوٹھوہار کے متعلق تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ پوٹھوہار اور راول پنڈی کے ناموں کی توجیہہ بھی پیش کی گئی ہے مثلاً راوا،ں تاں پنڈ، پنڈی راول سے راول پنڈی تک اور پوپ ہار، پوٹ ہار سے پوٹھوہار تک مختلف صورتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ پوٹھوہار کی خستہ حالی بھی ہے اور زمانۂ قدیم سے پوٹھوہار پر بیرونی یلغاروں اور یہاں کے باسیوں کی جوانمردی و حریت پسندی

کا احساس بھی ___ پوٹھوہار کو دانستہ پسماندہ رکھنے کی فرنگی حکمتِ عملی سے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا گ ہے کیوں کہ اس طرح جنگ کی بھٹی کا ایندھن فرنگی کو سستے داموں مل جاتا تھا۔

افضل پرویز نے اس مضمون میں گرنگ ندی کو لوک گیتوں کی ایک ہیروئن (جگنی) کی علامت بنایا اور راول ڈیم کو ایک راول (جوگی) کے رُوپ میں پیش کیا ہے۔ جو دھونی رمائے کب سے بیٹھا ہے اور جگنی اس کی تلاش میں سرگرداں بالآخر اُس سے آن ملتی ہے۔ اس طرح یہ علامتی مقالہ ڈرامائی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

یہ مضمون معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بے پناہ ادبیت کا حامل ہے۔ راول اور جگنی کا ملاپ ان گنت خوشیوں کو جنم دیتا ہے اور گرنگ ندی کا راول ڈیم سے وصال پوٹھوہار کی خوش حالی کی علامت بن کر اُبھرتا ہے۔

''ہماری جگنی کا راول ''واپڈا'' کا ''راول ڈیم'' ہے جس سے وصال کے بعد گرنگ ندی کی دوشیزگی نکھر آنے کو ہے اور وہ دودھوں نہائے اور پوتوں پھلے گی۔'' (۱۲۱)

اس امید کا اظہار بھی ہے کہ راول ڈیم کی تکمیل سے مسرتوں کے گیت تخلیق ہوں گے اور پوٹھوہار کے سُورے محنت مزدوری کے لیے دور دیس نہیں جائیں گے۔ کھیتیاں سیراب ہوں گی اور ہر قسم کی جدائی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔

ڈراما ''جگنی اور راول'' ۱۹۸۱ء کو ریڈیو کے لیے لکھا گیا جبکہ ۹۲۔۱۹۹۱ء کو ٹی۔ وی سے بھی دکھایا گیا۔ افضل پرویز کا ایک ڈراما ''راگ دربار'' بھی ہے جس میں راگ راگنیاں باقاعدہ کردار ہیں اور اُن کی آپس میں گفتگو افضل پرویز کے ماہرِ موسیقی ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔ ''نکا جیہا موہڑہ'' ریڈیو کے لیے لکھا گیا پنجابی پوٹھوہاری ڈراما ہے جس میں پوٹھوہاری ثقافت سے گہری آشنائی کا اظہار ہوتا ہے اور دیہاتی زبان کا رچا ہوا ورتارا قابلِ ستائش ہے۔ ''کیدو'' بھی پنجابی پوٹھوہاری ڈراما ہے جس میں ترقی پسندانہ عوام دوستی اور طبقاتی کشمکش کو نمایاں کیا گیا ہے۔ بڑی حویلیاں، سفید پگڑی اور دولت جاگیر عزت کا معیار بنی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود انسانیت عام لوگوں میں ہی ڈھونڈنے سے مل پاتی ہے۔ ہاں دولت مند طبقے کے عیب اُن کی

دولت چھپا لیتی ہے اور عام آدمی بے چارہ مثبت کام کر کے بھی ''کیدو'' بن جاتا ہے۔

افضل پرویز نے پنجابی شاعری پر بھرپور توجہ دی لیکن پنجابی نثر کی طرف اُن کا رجحان کم ہی رہا ہے۔ اگر چہ انہوں نے چند افسانے اور کتابوں پر کچھ تبصرے بھی لکھے لیکن اُن کی باقاعدہ نثری تصنیف ''کہند اسائیں'' ہی ہے جس میں تحقیق و تنقید کا اعلیٰ معیار پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں سائیں پشاوری کے کلام کی ترتیب و تنظیم کے ساتھ ساتھ اُن کی شخصیت اور فن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پنجابی شاعری کے ارتقاء، شاعروں کی سوانح اور فن پر بھی اجمالی نگاہ ڈالی گئی ہے۔

سائیں کا کلام عموماً ایک ہی بحر میں اور چار مصرعوں یعنی بیت کی شکل میں ملتا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''دوجے کئی شاعراں وانگوں سائیں پشاوری دا سارے دا سارا کلام حرفیاں تے بیتاں وچ ہے تے اوہناں دی اکو مخصوص بحر ہے۔'' (۱۲۲)

اس کتاب میں پنجابی زبان اردو سے زیادہ متاثر ہے مثلاً: کئی، ہے، سارے، کلام، مخصوص، بحر وغیرہ زیادہ تر اردو کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پنجابی لفظوں کی کمی کو اردو زبان کے لفظوں سے پورا کیا جا رہا ہے۔

پشاور کی ہندکو بولی پر فارسی اور پشتو زبان کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ کچھ یہی سبب ہے کہ سائیں کا کلام بھی فارسی تراکیب سے اٹا پڑا ہے۔ شاید اسی لیے انہیں پنجابی کا غالب کہا جاتا ہے۔ افضل پرویز نے بھی سائیں اور غالب کی اس مماثلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بقول افضل پرویز:

''سائیں احمد علی پشاوری نے خاص کر کے فارسی ترکیباں بہوں ورتیاں ہن۔'' (۱۲۳)

سائیں کی بعض اردو اور فارسی تخلیقات کا سُراغ بھی لگایا گیا ہے جن میں ایک اردو نعت، فارسی

غزل کا ایک مطلع اور ایک فارسی قطعہ شامل ہے۔

سائیں نے شاعری کا آغاز اپنی مادری زبان فارسی سے ہی کیا تھا لیکن وہ فارسی سے پنجابی (ہندکو) زبان کی طرف کیونکر پلٹ آیا۔اس پہلو کی طرف افضل پرویز نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔

افضل پرویز نے پنجابی اور ہندکو کے بعض ہم معنی لفظوں کو بھی آمنے سامنے پیش کر دیا ہے۔

سائیں کا کلام چھپی ہوئی شکل میں کہیں بھی موجود نہ تھا۔افضل پرویز نے بڑی محنت اور سچی لگن کے ساتھ اس کلام کو مختلف باذوق افراد اور شعر خوان حضرات سے مل کر جمع کیا ہے۔ایک ہی شعر بعض اوقات مختلف علاقوں میں ترمیم اور ردوبدل کے ساتھ ملتا ہے لیکن انہوں نے زیادہ تر کلام اُن لوگوں سے حاصل کیا ہے جنہوں نے ہندکو لہجے کو برقرار رکھا تھا:

''اوہدا سارا کلام ایہدھر اودھر کھلر یا ہویا ملدا اے۔لوکاں نوں یاد ہے تو شاگرداں نوں حفظ سی،اچیے لوکوں کولوں ای ایہہ سارا کلام اکٹھا کیتا ہے۔
میں پوری کوشش کیتی ہے جے پنڈی تے سرحد دے اوہناں لوکاں توں بیت حاصل کراں۔جینہاں نے ہندکو لہجے نوں قائم رکھیا۔''(۱۲۴)

سائیں کے شاگردوں کے مختصر حالات اور اُن کے فکروفن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن کے پیشے اور مختلف مشاغل کے اثرات بھی اُن کی شاعری میں تلاش کیے ہیں۔

ذاکر کے متعلق لکھتے ہیں:

''اوہ گنگے تے کرکٹ دا کھڈیاروی سی ایس کر کے اوہدے شعراں وچ بڑا زور تے انکھ دیاں جھاکیاں ملدیاں نے۔''(۱۲۵)

سائیں پشاوری کی ذاتی زندگی سے بھی پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ہندولڑکوں سری رام اور کانشی رام سے اُن کے عشق کا بھی اشارۃً ذکر کیا گیا ہے۔سائیں نے شادی نہیں کی تھی۔

''اوہدے شعر تے شاگرد ہی اوہدی اولاد سن۔''(۱۲۶)

اس کتاب میں افضل پرویزؔ نے موضوع، اسلوب اور حقائق کا تاثر قائم رکھا ہے اور سائیں کے شعری اسلوب اور زبان کے ورثا رے کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے:

> ''او ہنے حمد، نعت، منقبت، مذہب، تصوف، اخلاقیات، حُسن تے عشق دے مضموناں نوں بڑے سوہنے تے انوکھے انداز نال نبھیا ہے۔'' (۱۲۷)

''کہندا سائیں'' میں ابیات کی ترتیب اس طرح ہے: حمد، نعت، منقبت، اپنا تعارف، عشق، وراگ، رُت رنگیلی نظم اور متفرق اشعار۔ اس کے علاوہ مختلف قسموں کو بھی بیان کر دیا ہے۔ مثلاً چار کلیا۔ اٹھ کلیا۔ باراں کلیا، سولاں کلیا اور زنجیرہ وغیرہ۔

یہ کتاب ایک طرف سائیں کے کلام کے حصول کی مشکل راہوں سے آشنا کرتی ہے تو دوسری طرف شاعر کے حالات زندگی، شاعری کے آغاز، شاعر کے حُلیے اور اُس کے فن پر روشنی ڈالتی ہے اور ہندکو زبان پر فارسی اور پشتو کے اثرات کا بھی جائزہ لیتی ہے۔ یوں سائیں کے کلام کو سمجھنے اور سمجھانے میں یہ کتاب ایک اتھارٹی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

افضل پرویزؔ نے اس کتاب میں شعوری طور پر ہندکو لہجہ اپنانے کی کوشش تو کی ہے لیکن اُسے 'ہند' کہا جا سکتا ہے نہ پنجابی اور نہ ہی پوٹھوہاری۔ بنیادی طور پر وہ پنجابی کے پوٹھوہاری رُوپ ہی سے متاثر ہیں:

> ''پنجابی دا پوٹھوہاری رُوپ میتوں ماں دے دُدھ تے گڑھتی نال ملیا تے پنجابی ادب تے شاعری نال پیار، سُرت سنبھالن نال ای گوڑھا ہوگیا۔'' (۱۲۸)

پنجابی کا یہ پوٹھوہاری رُوپ کم از کم اس کتاب میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔

ثقافت بیتی (کالم)

افضل پرویز سولہ سال تک Contract Base پر ہر بدھ کو روزنامہ ''جنگ'' راول پنڈی میں
الم باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ اس کالم میں راول پنڈی، اسلام آباد کی ثقافتی اور تہذیبی
رمیوں پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ بقول جمیل ملک:

''یہ کالم 'ثقافت بیتی' علاقائی حد تک بڑی اہمیت کا حامل ہے۔'' (۱۲۹)

ان کا یہ کالم زیادہ تر تین حصوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے حصے میں کلچر کے حوالے سے منعقد ہونے
ہر چھوٹی بڑی تقریب کی کارروائی قلمبند کرتے۔ دوسرے حصے میں اسٹیج ڈراما پر تبصرہ اور مختلف
اروں کی پرفارمنس پر روشنی ڈالتے۔ تیسرے حصے میں کسی بھی فنکار یا فنکارہ کی حوصلہ افزائی کے
ے اس کے تعارف کے ساتھ اس کے فن کے بارے میں اپنے مثبت اور گراں قدر مشوروں سے
زتے۔ (۱۳۰)

''راول پنڈی میں اسٹیج ڈراموں کی مقبولیت کا سہرا افضل پرویز کے سر رہے
گا۔'' (۱۳۱)

اس کالم میں افضل پرویز ایک قسم کی ہسٹری مرتب کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ علمیت اور تنقیدی
ر بھی اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔ وہ تمام علوم و فنون پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس کا اظہار باقی
انیف میں بھی ہوا ہے لیکن کالم ''ثقافت بیتی'' میں موسیقی و مصوری اور دیگر فنونِ لطیفہ کا مکمل
ین اظہار ہوا ہے۔

''ثقافت بیتی'' میں بھی افضل پرویز پوٹھوہار کے حوالے سے ہی کام کر رہے ہیں۔ پوٹھوہاری

ثقافت پر اتنا کام پہلے کسی نے کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کسی سے اتنے بڑے کام کی توقع
''ثقافت بیتی'' میں ایک لحاظ سے ہمارا لوک ورثہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اس کالم میں افضل پرویز ادیب کے ساتھ ساتھ ایک آل راؤنڈر نقاد کے رُوپ میں سامنے آتے ہیں۔ مصوری، موسیقی، خطاطی، ساز نوازی، اداکاری، گلوکاری، پہلوانی، کبڈی، او معاشرت الغرض زندگی کے ہر پہلو کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ۷ اگست ۱۹۹۱ء کے کالم میں غلام رسول کی مصوری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ادبی اسلوب میں کیا خوب منظر نگاری کی ہے:

''جہاں گردو پیش میں سرسبز و شاداب مرغزار، نیلگوں کوہساروں کے پس منظر، رنگا رنگ گل بوٹے اور درخت، ہری ہری دُھوپ اور اس میں سے پھوٹتے ہوئے سفید بلوریں پُھند نے جو سورج کے انعکاس سے دھنک رنگ ہو جاتے ہیں۔ رُتوں کے ساتھ ساتھ گوناگوں رنگ بدلنے والے پتوں ___ بوقلموں، گل و غنچہ کے سولہ سنگھار کرنے والی بیلیں ___ بورڑ و دا شہر کے چاروں اور محنت کشوں کے گلابی گھروندوں کی جدول۔ دہقانوں کی کڑ۔ پنگھٹوں پر پنہاریوں کے جمگھٹے ___ اور چراگاہوں میں قیلولہ کرتی ہوئی بھینسیں، اپنے سحر میں اسیر رکھتی ہیں۔''

آگے لکھتے ہیں:

''وہ فن برائے زندگی اور فن برائے علوم کے علم بردار ہیں۔ مصوری کے ہر اسلوب اور طریق سے واقف ہیں لیکن حقیقت پسندانہ علامتی اسلوب اور چیٹلو سے لینڈ اسکیپ اور پورٹریٹ بنانا زیادہ پسند ہے۔''

۳۱ جولائی ۱۹۹۱ء کے کالم میں لکھتے ہیں:

''پاک چین دوستی ہمالیہ سے اونچی اور سمندر سے گہری ہے۔ دونوں ملکوں کے تہذیبی اور ثقافتی روابط ہزاروں برس پُرانے ہیں۔ عوامی جمہوریہ چین نے ہر ''پریشان حالی و درماندگی'' میں نہ صرف اپنے دوست اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ہاتھ تھاما ہے بلکہ ہر

فیچرز "چار گرائیں"، "گراں نی وسنی"، "دوسا" کا ذکر نہ کیا جائے۔ یہ پروگرام برسوں چلتا رہا بلکہ صدیق دوسا کی زندگی کے آخری لمحے تک چلتا رہا۔ یہ پروگرام قومی یک جہتی اور قومی سماجی خدمت کے موضوع پر لکھا جاتا۔ اسے افضل پرویز لکھتے اور خود بھی اس میں کردار ادا کرتے۔ اس فیچر کے چند نمایاں کردار یہ تھے۔ لالہ بتلو، بھائیا متولی، دوسا، پٹھوں، دوسے کی بیوی نیک بختی۔ لالہ بتلو (پشاور کا ہندکو) کا کردار افضل پرویز خود کرتے۔ دوسے کا کردار دوسا (صدارتی تمغہ حسن کارکردگی) بھائیا متولی اور پٹھوں کا کردار اختر جعفری کرتے اور دوسے کی بیوی کا کردار نگہت اقبال کرتیں۔

اس فیچر میں ہندکو، تلہ گنگ، میانوالی، چکوال، گوجر خان کی زبان اور لب و لہجہ استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ افضل پرویز کس قدر زرخیز ذہن کے مالک تھے۔ ان کی تحریروں میں کس قدر تنوع ہے۔ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کتنا گہرا اور تیز ہے۔ بولیوں اور زبان پر کتنا عبور ہے۔ ایک ہفتہ وار فیچر کو برس ہا برس تک کامیابی سے لکھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ اس میں دل کشی، کشش اور دلچسپی برقرار رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور ہر ہفتے ایک نیا پلاٹ، ایک نئی کہانی اور ایک نیا مسئلہ پیش کرنا ہر ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو خود ایک استاد کے مقام پر کھڑا ہو۔ افضل پرویز مرحوم کے چلے جانے سے یہ فیچر اپنی کشش، افادیت اور مقبولیت کھو بیٹھا۔ نہ وہ کردار رہے اور نہ ہی وہ رائٹر۔ اس حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ افضل پرویز کو ریڈیو پاکستان راولپنڈی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور لکھنے والوں میں ان کا نام سرِفہرست ہوگا۔

میرے پیش کردہ کئی میوزیکل فیچرز میں مرحوم نے نہ صرف میری مدد کی بلکہ فنکاروں، گلوکاروں اور موسیقاروں کو خود گا کر طرزیں سمجھائیں اور بتائیں۔ (۱۳۲)

ناقدین کی آراء

سجاد ظهیر

''کلرکوں کے گروہ میں مجھے ایک نوجوان شاعر ملا۔ غالباً اُن کا تخلص پرویزؔ تھا جس میں عوامی رنگ کی انقلابی تڑپ تھی اور اس کی شاعری کا آغاز یہی تھا اور اُس میں پختگی تھی۔''(۱۳۳)

سید ضمیر جعفری

''وہ اردو شاعری کے مرمریں فانوسوں اور قالینوں سے سجے ہوئے ایوانِ زرنگار میں اپنے کھیتوں اور کھلیانوں سمیت داخل ہوگیا اور اس ایوان کے (Sound System) پر شاعری کے جو ریکارڈ میر تقی میرؔ کے زمانے سے بجائے جارہے تھے۔ موسیقی کے اس کلاسیکی دریا میں وہ پوٹھوہار کے آہنگ کو بھی شامل کرسکا۔ اس نے اردو شاعری کو نئی خوشبو، نئی آواز دی۔''(۱۳۴)

شریف کنجاہی

''افضل پرویز دی شاعری وچ اوہ پڑ جاملدا اے جس نوں ملائم لفظاں وچ بجیاں کھبیاں سوچاں تے اُلاراں دا گھمسان کیہا جاسکدا اے۔ ایس گھمسان وچ افضل پرویز کھلم کھلا کھبے پاسے دیاں نال اے تے آپنے اوہناں سنگیاں دی جت تے یقین رکھدا اے۔''(۱۳۵)

پروفیسر فتح محمد ملک

''اردو شاعری، اردو نثر، پنجابی شاعری اور پنجابی نثر کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے خطۂ پوٹھوہار کی لوک روایات کو بھی نئے حسن و جمال سے آراستہ کیا۔ جب پاکستان کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا تو اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ اس علاقے کی قدیم تاریخ، پرانی روایات اور فنکارانہ سرگرمیوں سے پاکستان اور پاکستان سے باہر کی دنیا کو روشناس کرایا جائے تا کہ دارالحکومت اسلام آباد کی تہذیبی شخصیت کو سنوارا اور نکھارا جا سکے۔ اس دور میں افضل پرویز مرحوم تاریخ، تہذیب اور شعر و موسیقی کا سب سے بڑا خزینہ(Resource Person) بن کر اُبھرے۔''(۱۳۶)

جمیل ملک

''افضل پرویز کے ہاں کسی بھی فن کا ناطہ زندگی سے منقطع ہونے نہیں پاتا۔ یوں تو کوئی بھی فنکار زندگی ہی کے کسی نشیب و فراز کے مثبت یا منفی پہلو کی عکاسی کرتا ہے کہ ادب بلاواسطہ زندگی ہی کا آئینہ دار ہوتا ہے لیکن افضل پرویز کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ صرف زندگی کی عکاسی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ شعوری سطح پر زندگی کے ایک ایک رُخ کا تجزیہ بھی کرتا ہے۔ اپنے تجزیاتی استدلال کے بعد سمت کا تعین بھی کرتا ہے اور پھر منزل کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور اپنے ہم سفروں کو بھی مسلسل چلتے رہنے ہی کی بشارت دیتا ہے کہ اس کے نزدیک منزل کی بشارت بھی حرکت و عمل کی بشارت ہی سے مملو ہے ___ وہ میدانِ عمل کا منجھا ہوا شہسوار بھی ہے جس کے پاس عہد بہ عہد پروان چڑھتے ہوئے سائنسی شعور کا ہتھیار ہے۔ وہ ایک بنجارہ بھی ہے جو گاؤں گاؤں، شہروں شہروں، ملکوں ملکوں اپنی نظموں، غزلوں، دوہوں اور

گیتوں کی مالا ہاتھ میں لیے انسانیت کو صداقت، حسن اور خیر کے نغمے سناتا آگے بڑھ جاتا ہے___ افضل پرویز کی شاعری اسی شہسوار، اسی بنجارے کی داستانِ حیات ہے۔'' (۱۳۷)

محسن احسان

''افضل پرویز راولپنڈی کے ان چاروں درویشوں میں سے ایک تھا جنہوں نے پوٹھوہار کو عزت و تکریم بخشی۔ اردو میں منفرد پہچان بنائی۔ پنجابی اور پوٹھوہاری میں ایک جداگانہ طرز احساس کو اپنایا اور موسیقی سے رابطہ استوار رکھا___ موسیقی اور شاعری ان کے خاص موضوع تھے۔ ان کے علمی مضامین فنون جیسے معتبر ادبی جریدے میں شائع ہوتے تو ہم اکثر سوچتے کہ یہ شخص اندر سے کتنا بڑا ہے۔ اس کی معلومات کتنی وسیع ہیں اور یہ موسیقی جیسے بحرِ ذخار میں کس عمدگی سے غوطہ زنی کرتا ہے۔ ریڈیو کے پوٹھوہاری پروگرام میں آواز لگاتا تو اس کا لب و لہجہ اس کی انفرادیت کا بول بالا کر دیتا۔ اردو پروگراموں میں حصہ لیتا تو ریڈیو کے سننے والے دیر تک اس کی معلومات افزا تقریر پر سر دھنتے۔'' (۱۳۸)

امین راحت چغتائی

''وہ اپنے عہد کے تناظر میں وسیع المطالعہ تھے۔ برصغیر کے سیاسی نشیب و فراز پہ گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ نہ صرف نئے ادب کے تقاضوں کو سمجھتے تھے بلکہ ان کے بارے میں کسی سمجھوتے کے قائل ہی نہ تھے۔ سُر سنگیت کا درک بھی رکھتے تھے اور فنِ مصوری کا ذوق و شوق بھی۔ پوٹھوہار کا لوک ادب بھی ان کی دسترس میں تھا۔ وہ ہمہ جہتی ادیب تھے۔ غزل، نظم، افسانہ اور تنقید غرض یہ کہ بھی اصناف ادب میں رواں تھے۔ ریڈیائی ڈرامہ نگاری، فیچر نگاری اور صداکاری بھی ان کی جولانی طبع کی

آ جاتا ہیں تھیں لیکن کوئی صعب ادب ہو، ان کی نظریاتی پختگی، برہمن کی زناری سے کم نہ تھی۔ ادبی مباحث میں بہت ہی نپی تلی اور مدلل بات کرتے تھے۔"(۱۳۹)

قمر عینی

"افضل پرویز اردو، پنجابی اور پوٹھوہاری کا ایک ایسا شاعر تھا جس کے یہاں حقائق کی تلخی بھی ہے اور زندگی کی سچائیاں بھی۔ اس کی پنجابی شاعری اس کے سچے جذبوں کی ترجمان ہے۔ اس کی پذیرائی جتنی بھارتی پنجاب والوں نے کی کاش ہم اس کا عشر عشیر کر سکیں۔

افضل پرویز خطۂ پوٹھوہار کا نامور سپوت اور ایک نابغۂ روزگار شخص تھا جو قدر ناشناسی کی نذر ہو گیا۔ آج افضل پرویز کو بازیافت کرنے کی ضرورت ہے۔"(۱۴۰)

ڈاکٹر رشید نثار

"افضل پرویز نے پوٹھوہار کو تہذیب کا گہوارا بنتے دیکھا ہے۔۔۔ اس کے پاس موسیقی، اسٹیج، شاعری، پہلوانی، خاکساری، تاریخ شناسی اور براڈکاسٹنگ کا جوہر تھا۔۔۔ اس نے پوٹھوہار کی مشترکہ میراث کے لیے جتنے دکھ جھیلے ہیں کوئی اور ہوتا تو ذہنی توازن کھو بیٹھتا۔۔۔

افضل پرویز پوٹھوہار کا چشمۂ رواں ہے، شعر و ادب کا زندہ استعارہ اور نئی روایتوں اور اس کے خدوخال کا آئینہ دار ہے۔ اس لیے ایسے نابغے کو یاد رکھنا خوش نودیٔ انساں کی جستجو کے مصداق ہے۔"(۱۴۱)

انوار فیروز

"افضل پرویز بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں غرور نام کو بھی نہیں تھا۔ ہر

ایک کے ساتھ خوش اخلاقی سے ملتے اور کبھی محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ بڑے آدمی ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، نثر نگار، پہلوان اور براڈ کاسٹر تھے اور موسیقی کے اسرار و رموز کو بھی سمجھتے تھے۔" (۱۴۲)

سلطان رشک

"راولپنڈی کی پتھریلی اور بنجر ادبی گزرگاہوں کو اپنا خونِ جگر دینے والے ادبی کارواں کے ایک مسافر افضل پرویز تھے جنہوں نے ترقی پسند تحریک کے ذریعے اس وقت کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو نہ صرف ادبی پلیٹ فارم دیا بلکہ ان کی تربیت کی اور بہت تیز ہواؤں میں شعر و ادب اور فنِ موسیقی کا چراغ روشن رکھا، ہماری رائے میں راولپنڈی کی ادبی اور فکری تاریخ پر افضل پرویز کے ادبی کارناموں کے نقوش اتنے واضح اور نمایاں ہیں کہ 1940ء تا 2000ء کا عہد تصویر کی صورت نظر آ رہا ہے۔" (۱۴۳)

بشیر حسین ناظم

"افضل پرویز جیلانی مردِ تحقیق تھے۔ تحقیق ان پر نثار تھی وہ تحقیق پر فدا تھے۔ لفظ کا مبدا (Origion) ڈھونڈنا افضل پرویز کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ ایک مشتبہ مبہم لفظ کی اصلیت جاننے میں بعض اوقات ہفتہ ہفتہ صرف کر دیتے۔ جب تک تسلی و اطمینان صحت لفظ نہ ہوتا تحقیق میں مگن رہتے۔ افضل پرویز کو جذبے کی صداقت عزیز رہی۔ اس لیے انھوں نے لفظ کی حرمت کو بھی ذرہ بھر ٹھیس نہیں لگنے دی۔" (۱۴۴)

لطیف کاشمیری

"افضل پرویز نے زندگی کے وسیع تجربات اور عمیق مطالعے کے توسط سے جو شعور

حاصل کیا وہ سائنسی بھی ہے اور منطقی بھی۔ اس کے ڈانڈے ایک طرف تو حقیقت پسندی سے ملتے ہیں اور دوسری طرف روایت شکن روشن خیالی سے بھی۔ اس کی منطقی سوچیں کہنہ روایات اور اعتقادات کو بلا تامل قبول کر لینے کی اجازت نہیں دیتیں۔ وہ ہر نئی اور پرانی قدر کو شعور کے ترازو پر تولنے اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہے۔ اس لیے اس کے ہاں فکری و نظریاتی معاملات میں ایک منصفانہ توازن اور ایک فلسفیانہ اعتدال نمایاں ملتا ہے۔'' (۱۳۵)

پروفیسر احسان اکبر

''افضل پرویز نے عام آدمی کے کلام کو اہمیت دی۔ غریب کی حالتِ زار کی بہتری کا ادعا سوشلسٹوں ہی کے مقاصد میں تھا سو افضل پرویز سوشلسٹ ہو گئے۔ ملک کی تقسیم سر پر تھی اس زمانے میں افضل پرویز نے نثر میں بھی لکھا اور شاعری میں اظہار افکار کیا۔ شعر میں وہ غزل کے بجائے نظم اور گیت کے آدمی تھے۔ عوام، عوامی زندگی، دیہات وہ ماحول تھا جس میں وہ رچے بسے تھے۔ انھوں نے فرضی جذبات بیان نہیں کیے۔ انہی موضوعات پر لکھا جن سے وہ خود متاثر تھے اور جو ان کی ذاتی سوچ بن چکے تھے۔'' (۱۳۶)

جمیل یوسف

''ان کی شخصیت اور ان کی تخلیقی کاوشیں راول دیس اور اس کے اردگرد پھیلے ہوئے پورے علاقے کی ثقافت کی روح رواں تھی۔ ان کے بھرپور تذکرے کے بغیر اس علاقے کی ثقافت بنتی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس ثقافت کے حوالے سے وہ محض داستان گو نہ تھے بلکہ اس داستان کا ایک نہایت فعال اور توانا کردار تھے۔'' (۱۴۷)

طارق جلیل

''میں اک گل ویکھی اے کہ پرویز صاحب نے کدے کسی اُچے ناں دے نال آپنا ناں جوڑ کے اچیاں بنن دی کوشش نہیں کیتی۔ اوہ جو کچھ وی بنے نیں آپنڑی محنت تے کوشش نال بنے نیں۔ تے جہاں نے اونہاں نوں ضیا اے اونہاں پرویز صاحب دیاں ذاتی خوبیاں توں ای ضیا اے۔ اونہاں نے آپنے نوں منوان دی آہر آپی کدے نہیں کیتی۔'' (۱۴۸)

جمیلہ شاھین

''شاعر افضل پرویز کی ''دو آوازیں'' لوک آواز اور شہری آواز میرا تعاقب کرنے چلیں:

جاگتی کھیتیاں بلاتی ہیں
گھر سے گاتے ہوئے غزل نکلو

''کھیتیاں'' اور ''غزل'' کا یہ سنگم یقیناً اردو شاعری میں ایک نئی آواز ہے اور یہ آواز افضل پرویز کی ہے جس آواز کو بلند ہوتے دیکھ کر ''سرژ'' سے توت کی چھڑی اس کی پیٹھ پر جم گئی اور دھن کی تان میں افو کی چیخ بھی شامل ہوگئی۔ وہ چیخ افضل پرویز کی شاعری ہے۔'' (۱۴۹)

پروفیسر نجمی صدیقی

''ہر شخص افضل پرویز ہو سکتا ہے مگر افضل پرویز ہر شخص نہیں تھا۔ ایسی ہمہ جہت اور نابغہ شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں اور جب دنیائے فانی کو چھوڑتی ہیں تو اتنا بڑا خلا پیدا ہوتا ہے جسے پُر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ افضل پرویز نے تحریروں اور فن پاروں کا

ایسا خزانہ چھوڑا ہے جس سے آنے والی نسلیں لطف اندوز ہوں گی اور ادب وثقافت کے بارے میں گوناگوں معلومات حاصل کرتی رہیں گی۔''(۱۵۰)

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

''افضل پرویز، نام ہے ایک ہفت زبان ماہر ثقافت، شاعر، افسانہ طراز، محقق، نقاد، صحافی، مصور، براڈ کاسٹر، گلوکار اور موسیقار کا ___ لیکن یہ نہ سمجھیے کہ وہ صرف انہی شعبہ جات میں درک رکھتے ہیں۔ جوانی میں وہ پہلوان اور لٹھ مار بھی رہے ہیں۔ یوگا سے انہیں خصوصی شغف ہے اور یہ سب کچھ پینسٹھ برس کی عمر میں ان کی جوانی کا راز ___ لنگوٹ کے پکے اور سوچ بچار میں آزاد خیال، اپنے ہم عمروں میں بردبار اور جوانوں میں جوان۔ اس بڑھاپے کی خواہش یقیناً ہر کوئی کرے گا۔''(۱۵۱)

افضل پرویز کے دوست احباب

افضل پرویز کی پیدائش کے وقت راولپنڈی کی ادبی فضا بڑی پُر کیف تھی۔ شہر، صدر اور لالکڑتی میں مشاعرے ہوتے تھے۔ ان کا اہتمام ملک عطا محمد طاہر، خوش گو شاعر اور ماہرِ علم عروض کیا کرتے تھے۔ اس دور کے ان مشاعروں کے شرکا میں: احمد علی سائیںؔ، رجب علی جوہرؔ، غلام نبی کامل، سید محمد خان حاجی سرحدیؔ، محمد علی ناميؔ، آغا صدیق حسن ضیا، خواجہ شریف احمد علوی اور ہندو شعراء میں جے بجیہ لال فانی، برہم دت ہما، چاندی رام آثرؔ، کرشن چندر راسک اور کیدار ناتھ عابد قابلِ ذکر ہیں۔ کچھ عرصہ بعد تلوک چند محروم، (جگن ناتھ آزاد کے والد) بھی پنڈی میں آ گئے تھے۔

ملک عطا محمد طاہر اور عبدالعزیز فطرت کی مشترکہ کاوشوں سے اب کُل ہند مشاعروں کا اہتمام بھی کیا جانے لگا تھا اور ان مشاعروں میں ابوالاثر حفیظ جالندھری، احسان دانش، صوفی تبسم، محمد دین تاثیر، حسرت موہانی، روشن صدیقی، جگر، ساغر نظامی، سیماب اکبر آبادی، جوش ملیح آبادی، عرش ملسیانی، ذوالفقار علی بخاری اور سر عبدالقادر جیسی ہستیاں راولپنڈی میں تشریف لائیں۔

آغا محمد شاہ برقؔ، عبدالحمید عدمؔ، ناظر الدین ناظر اور جلوی عبدالغنی شہید بھی بسلسلہ ملازمت راولپنڈی میں وارد ہو چکے تھے جس سے شعر و سخن کی محفلوں کی رنگینی بڑھ گئی۔ راولپنڈی کی ادبی مجالس اور مشاعروں میں انجم رضوانی اور فطرت کے علاوہ پروفیسر اعظم رفعت، باقی صدیقی، نواب اشک رامپوری، یوسف ظفر، اصغر علی احسن، ضمیر جعفری اور نوجوان شعراء قتیل شفائی، ایوب محسن، فضل الرحمان اشک، محمد امین ساحر، احمد ظفر، افضل پرویز، شوکت واسطی، جمیل ملک، حسن طاہر، منظور عارف، رشید ساقی، صادق نسیم اور حفیظ انوری قابلِ ذکر ہیں۔ فارغ بخاری اور

رضا ہمدانی بھی کچھ عرصہ شریک ہوتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھارت سے ہجرت کر کے راولپنڈی میں آباد ہونے والے شعراء میں نیر اکبر آبادی، پروفیسر رزمی، صفی حیدر، دانش، تجمل حسین اختر، مظفر اکبر آبادی، توصیف تبسم، نظم اکبر آبادی، جدت میرٹھی، اختر ہوشیار پوری، عزیز صہبائی اور بہت سے دوسرے شعراء (۱۵۲)

ضمیر جعفری، احمد ظفر، جمیل ملک، حسن طاہر، فارغ بخاری اور رضا ہمدانی کے علاوہ رشید نثار، فتح محمد ملک، سلطان رشک، شورش ملک، شفقت تنویر مرزا، راجہ رسالو، جوگی جہلمی، شریف کنجاہی، امین راحت چغتائی، زاہد حسن چغتائی، لطیف کاشمیری، حمید کاشمیری اور درشن سنگھ آوارہ جیسی نامور شخصیات سے بھی افضل پرویز کے گہرے مراسم اور تعلقات تھے۔ (۱۵۳)

جمیل ملک نے اپنی کتاب ''وِنجھلی دا دل دریا'' کا انتساب افضل پرویز کے نام کیا ہے:

''خطۂ پوٹھوہار دے اک سرخیل، شاعر، ادیب، نقاد تے محقق افضل پرویز دے ناں نخسجاں نال۔''

اس کے علاوہ اُن کی دوستی کا ثبوت ''غم روزگار کے'' کا دیباچہ بعنوان ''شہ زور بنجارہ'' بھی ہے۔ احمد ظفر پر افضل پرویز کا تنقیدی مضمون ''میرا چن کدے نہ چڑھیا'' مطبوعہ ''لہراں'' احمد ظفر نمبر، افضل پرویز اور احمد ظفر کی گہری دوستی کا ثبوت ہے۔ جمیل ملک کی کتاب ''ہجری چھاں'' کا دیباچہ بھی افضل پرویز نے لکھا ہے۔

درج بالا شعراء اور ادباء کے علاوہ محسن احسان، قمر رعینی، احمد سلیم، احسان اکبر، منکو عارف، ناصر زیدی، طارق جلیل، جمیلہ شاہین، جمیل یوسف، انوار فیروز، بشیر حسین ناظم، نجمی صدیقی، سید عارف، تنویر ظہور، کرنل غلام سرور، نثار ترابی، طارق شاہد، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، محفوظ کھوکھر وغیرہ سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔

طارق جلیل سے افضل پرویز کی بہت گہری دوستی تھی۔ اُن کا یہ جملہ" میں اور میرے بہترین "یارِ غار" طارق جلیل لہتراڑ جا رہے تھے"(۱۵۴) ان کے دوستانہ تعلقات کی گہرائی کو جانچنے کے لیے کافی ہے لیکن مزید وضاحت کے لیے بقول طارق جلیل:

"ان گنت ملاقاتاں وچ مینوں اک ملاقات وی ایہو جیہی یاد نہیں جدوں میں افضل پرویز دیاں گلاں وچ اوسے پیار، اوسے خلوص تے اوسے مٹھاس دا سواد نہ لیا ہووے۔ اک واری وی انج نہیں ہویا جے اوہناں نالوں نکھڑن لگیاں میرا من ایہہ نہ چاہیا ہووے جے کجھ چر ہور اُنہاں نالوں نہ نکھڑاں۔"(۱۵۵)

زاہد حسن چغتائی، افضل پرویز سے اپنے خصوصی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ خوش ہو کر ڈاکٹر اکمل پرویز سے کہتا:"تو میرا پتر ایں، تے اے چغتائی میرا یار اے۔"

افضل پرویز کی وفات سے میں ایک ایسے بزرگ کی بے لوث، سچی سے بھی محروم ہو گیا، جس سے تعلق خاطر میرے لیے ذہنی و روحانی بالیدگی کا سبب تھا۔ وہ مجھے" چغتائی یار" کہتا تو میں اس کی بزرگانہ شفقت اور محبتوں سے سرشار ہو جاتا، خلوص کی ایک ایسی لہر، جس کی تازگی اور طمانیت آج بھی میرے قلب و ذہن کی آسودگی کا سبب ہے۔

ع اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر (۱۵۶)

لاہور میں استاد دامن، صوفی تبسم، حکیم ناصر، پشاور میں رضا ہمدانی اور خاطر غزنوی کے علاوہ محسن احسان سے بھی افضل پرویز کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔

مرحوم افضل پرویز کا مضمون" سائیں کا فن اور فکر" اباسین آرٹس کونسل پشاور کے زیرِ اہتمام منعقدہ تقریب بیاد سائیں میں پڑھا گیا جس کے لیے افضل پرویز مرحوم بطور خاص راولپنڈی سے تشریف لائے تھے۔ یہ میرے پاس محفوظ تھا۔ اب فاروق امجد پرویز کی نذر کر رہا ہوں کہ مرحوم والد کی تحریروں میں شامل کر لیں۔ یہ غیر مطبوعہ ہے (محسن احسان)۔(۱۵۷)

یہ عبارت بھی محسن احسان اور افضل پرویز کے مضبوط تعلقات کی نشان دہی کر رہی ہے۔ دوسطھ

قبل پشاور میں ہونے والی ہندکو کانفرنس کا جو بروشر چھاپا گیا اس پر افضل پرویز کی تصویر ہندکوز باں
کے لیے افضل پرویز کی خدمات کا اعتراف ہے اور افضل پرویز کا سائیں کے لیے یہ جملہ:

''پنڈی والوں اور پشاور والوں کو فخر ہے کہ وہ ہمارا تھا۔'' (۱۵۸)

مرکزیت کے فروغ اور دلوں کو جوڑنے کے لیے کتنا کارآمد ہے۔

خواجہ مسعود، دادا امیر حیدر، ممتاز مفتی، مختار صدیقی، احمد سلیم، فقیر محمد فقیر، مسعود قریشی، ایوب محسن، مرزا حامد بیگ، ماجد صدیقی، اعتبار ساجد اور بے شمار شعراء، ادباء اور فنکاروں سے تعلق تھا۔ اُن کے گھر ''خرابات'' کا کرائے کا پورشن صرف شاعروں اور ادیبوں کے لیے مخصوص تھا اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب اُن کے کرائے دار رہے ہیں۔ مثلاً مختار صدیقی، ممتاز مفتی، شاہد ہاشمی، احمد سلیم، شفقت تنویر مرزا، منو بھائی اور دیگر بہت سارے شاعر اور ادیب آپ کے مکان میں بطور کرایہ دار ٹھہرتے رہے ہیں۔ بقول فاروق امجد پرویز:

''عکسی مفتی کے چھوٹے بھائی کی پیدائش ہمارے مکان میں ہی ہوئی تھی۔'' (۱۵۹)

شعراء ادباء کے علاوہ راولپنڈی کی معتبر شخصیات چوہدری مولا داد چوہان، چوک تیلی محلہ، راو بنڈی اور چوہدری جہانداد خان محلہ چوہدری گلسراج سے بھی افضل پرویز کے بہت گہرے مراسم تھے اور راولپنڈی کے پنجابی شاعروں کے متعلق زیادہ تر معلومات انہیں دو معتبر شخصیات سے اکٹھی کی گئی ہیں۔ چوں کہ افضل پرویز کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اس لیے اُن کی دوستی اور تعلقات کا دائرہ بھی ہر طبقۂ زندگی کے افراد تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں کھلاڑی، سوانگ رچانے والے، پہلوان، تن ساز، خاکسار، شاعر، ادیب، گلوکار، موسیقار، صحافی، اداکار، شعر خوان اور ہر شعبہ اور ہر میدان کے لوگ۔۔۔ جن میں سے چیدہ چیدہ حضرات کا ذکر ہی ممکن ہے۔ کچھ عرصہ وہ والد صاحب کی جگہ مرکزی جامع مسجد اہلِ حدیث میں نماز جمعہ بھی پڑھاتے رہے ہیں۔ (۱۶۰)

ظہور راجہ

برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا کا نامور ہدایت کار، ممتاز فلم ساز اور محبوب اداکار۔۔۔ ظہور راجہ

۔۔۔میرا بچپن کا دوست ہے۔ہم گورنمنٹ ہائی سکول جہلم میں ہم سبق تھے۔یہ 1932ء کی بات ہے۔پھر وہ راولپنڈی چلا گیا۔گورڈن کالج میں پڑھ رہا تھا کہ غالباً (1937ء) میں گھر سے بھاگ کر بمبئی چلا گیا۔دوسری عالمی جنگ میں بمبئی بندرگارہ سے سمندر پار جاتے ہوئے ہمیں وہاں ظہور راجہ کے ٹھاٹھ دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ اس وقت ہندوستان کا خوبصورت ترین "ہیرو" مانا جاتا تھا۔وہ جس راستے سے گزر جاتا دل کے ہاتھوں مجبور لڑکیاں اس کی آرتی اتارتیں۔ان کی فلم "انمول گھڑی" نے مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ رکھے تھے۔جوہو کے ساحل پر اس کے تین شاندار بنگلے تھے۔جن میں ایک ایک بیوی الگ الگ رہتی تھی۔گھڑ دوڑ کے نامی گرامی گھوڑوں کا ایک وسیع اصطبل اس کے اثاثوں میں تھا۔۔۔۔1947ء کے بعد ظہور راجہ دفعتاً فلمی دنیا سے غائب ہوگیا۔ 1986ء میں اچانک راولپنڈی میں (معروف شاعر) افضل پرویز کے ہاں ملاقات ہوگئی۔وہ پاکستان میں تقریباً ایک برس رہا۔باری باری ایک مہینہ افضل پرویز کے ہاں اور ایک مہینہ میرے ہاں۔

سید ضمیر جعفری لندن میں ظہور راجہ سے ملاقات کے متعلق لکھتے ہیں:

ظہور راجہ نے "سرے" (Surry) کے علاقے میں مکان کا ایک کمرہ اور غسل خانہ کرائے پر لے رکھا تھا۔دو وقت کی روٹی افضل پرویز کے بھانجے کے گھر سے آجاتی تھی جو لندن میں کسٹم انسپکٹر تھا۔ایک لفافے سے میرے اور افضل پرویز کے خطوط نکال کر دکھاتے ہوئے۔۔۔۔"کوئی ملنے آجائے تو تمہارے خطوط پڑھوا کر سن لیتا ہوں۔(۱۶۱) فلمی ایکٹر علاؤالدین بھی افضل پرویز کے دوست تھے اور بقول قاضی فاروق امجد پرویز:

"ظہور راجہ (فلم ایکٹر) امام باڑہ محلہ اور علاؤالدین (فلمی ایکٹر) قطب الدین محلہ، راولپنڈی کے رہائشی، دونوں اباجی کے کلاس فیلو تھے۔" (۱۶۲)

رفیق غزنوی (میوزک ڈائریکٹر اور کلاسیکی گائیک)

بقول امجد پرویز:

"اباجی کا خاص الخاص دوست تھا۔ ویسے وہ تایا انجم رضوانی کا کلاس فیلو اور انہی کا ہم عصر تھا لیکن موسیقی کی وجہ سے اباجی کا دوست بن گیا تھا۔" (۱۶۳)

رفیق غزنوی 1907ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوا اور 3 مارچ 1974ء کو کراچی میں فوت ہوا۔ بقول افضل پرویز:

"رفیق غزنوی (سلمیٰ آغا گلوکارہ کے نانا) کی والدہ سے میری والدہ کی بہت دوستی تھی اور میری والدہ کا اُن کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ میری والدہ نے مجھے بتایا کہ اس کا باپ کباڑیا تھا اور اس کی قصائی گلی (جو طوائفوں کا قدیمی بازار ہے) کے سامنے راجہ بازار میں کباڑ کی دکان تھی۔ وہ روزانہ اپنے باپ کو دکان پر کھانا دینے جاتا تھا۔ واپسی پر گھر آنے کی بجائے وہ قصائی گلی چلا جاتا اور وہاں طوائفوں اور ان کے اُستادوں کا گانا سنتا تھا۔ اس طرح بچپن میں اُسے موسیقی کا شوق پیدا ہوا۔ (۱۶۴)

ماسٹر صادق (1923ء۔5 جولائی 1987ء) (ہارمونیم نواز)

آپ کی رہائش ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی میں تھی۔ آپ چالیس سال تک کراچی میں رہنے کے بعد اپنے آبائی مکان ڈی۔ اے۔ وی کالج روڈ میں واپس آئے۔ آپ افضل پرویز کے بچپن کے دوست ہیں۔ بقول پروفیسر شہباز علی

"ماسٹر صادق صاحب ہارمونیم کے بے تاج بادشاہ تھے۔"

ماسٹر صادق کی وفات پر افضل پرویز نے روزنامہ جنگ میں مضمون تحریر کیا، بعنوان "ماسٹر صادق اچانک سدھار گئے۔" اس مضمون میں اپنے بچپن کے دوست کے متعلق جذبات و احساسات کا یوں اظہار کیا:

"نام نہاد ثقافتی اداروں کو مبارک باد ہو کہ سچے اور سُچے سُروں سے فسوں پھونکنے والا صادق ان کی جھوٹی اَنا کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اب اس کے لیے اس کا جائز حق مانگنے والا کوئی ناقد انہیں تنگ نہیں کرے گا۔ نہ جانے وہ کب سے اندر ہی اندر گھلتا رہا۔

اس نے کبھی اپنے دُکھ کا اظہار نہیں کیا۔ کبھی اپنا روگ نہیں بتایا۔" (۱۶۵)

مختار بیگم، محمد طفیل نیازی، خواجہ خورشید انور، رشید عطرے، اے حمید، اعجاز حسین حضروی، ملکۂ کافی زاہدہ پروین، اور استاد غلام حسن شگن (فخر موسیقی) سے بھی افضل پرویز کے بہت اچھے مراسم تھے۔ بقول فاروق امجد پرویز:

"اباجی کی وفات کے بعد استاد شگن ہمارے گھر آیا اور ڈاڑھیں مار کر رویا۔" (۱۶۶)

زاہدہ پروین سے تعلق کے حوالے سے شہباز علی لکھتے ہیں:

"افضل پرویز صاحب اور ان کی بیگم، زاہدہ پروین کی کافیوں کے شیدائی تھے۔ ایک دفعہ ان کی راولپنڈی ریڈیو اسٹیشن پر زاہدہ پروین سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے زاہدہ پروین کو اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا اور ان سے کہا کہ میری بیوی آپ کی پرستار ہیں اور آپ کا گانا سننا چاہتی ہیں ۔۔۔۔

افضل پرویز نے کہا کہ آپ رشتے میں میری "اُستاد پھوپھی" لگتی ہیں ۔۔۔۔۔

افضل پرویز کی اس بات سے زاہدہ پروین بہت محظوظ ہوئیں اور انہوں نے افضل پرویز کی دعوت بخوشی قبول کر لی۔

زاہدہ پروین افضل پرویز صاحب اور ان کی بیگم کی قدر دانی اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئیں اور کہا کہ اب جب بھی میں پنڈی آؤں گی تو ہوٹل میں ٹھہرنے کے بجائے آپ کے گھر پر قیام کیا کروں گی۔" (۱۶۷)

ریڈیو پاکستان کے رفقاء اور دوستوں میں عطا حسین کلیم، فخر عالم نعمانی، محمد صادق، تصدق حسین شاہ، سید اختر جعفری اور باقی صدیقی زیادہ نمایاں ہیں۔ باقی صدیقی اور افضل پرویز کی معاصرانہ چپقلش میں ابو سعید قریشی کا نام بھی سامنے آتا ہے جو باقی صدیقی کے حمایتی تھے۔ سابق ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان راولپنڈی عطا حسین کلیم مرحوم سے اس چپقلش کے بارے میں جب میں نے پوچھا تو پہلے تو کچھ جھجکے، پھر یوں گویا ہوئے:

"یہ سوال اچانک آپ کے ذہن میں کیسے آ گیا۔ جس نے بھی آپ کو بتایا اس نے ضرورت شرارت کی ہے۔۔۔۔باقی صدیقی بہت اچھا اردو غزل گو تھا۔ اس نے خاندان کی بڑی خدمت کی، شادی نہیں کی۔ ذرا تنگ مزاج اور زود رنج تھا۔ جہاں آدمی رہتا ہے، اختلافات بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ ادیبانہ چشمک بھی ہو سکتی ہے۔" (۱۶۸)

یوں کلیم صاحب میرے سوال کا جواب گول کر گئے۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی جسے چھپانا انہوں نے ضروری سمجھا۔

پوٹھوہاری پروگرام "جمہورنی واز" کے کمپیئر اختر جعفری اور افضل پرویز تھے اور پس منظر میں پلاننگ اور مسودہ نگاری کی ذمہ داری باقی صدیقی اور تصدق حسین شاہ کی تھی۔ ایک ہی جگہ کام کرتے ہوئے ایک دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنا بھی دونوں حضرات کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ کوئی اداکار یا گلوکارہ بھی وجہ نزاع ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ باقی صدیقی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف تو "کہند اسائیں" میں افضل پرویز نے بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔ بقول افضل پرویز:

"اردو دے بڑے شاعر تے اگلی صف دے غزل گو منے جاندے سن۔" (۱۶۹)

محمد صادق سابق کنٹرولر پروگرامز ریڈیو پاکستان راولپنڈی افضل پرویز مرحوم سے اپنے گہرے مراسم کے متعلق لکھتے ہیں:

"ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں تقریباً ۲۰ سال خدمات انجام دیں۔ ان دس برسوں کے علاوہ بھی میرا رابطہ افضل پرویز مرحوم سے قریبی رہا۔" (۱۷۰)

محمد ابراھیم عرف ابلا (نامور باڈی بلڈر)

ہانگ کانگ میں باڈی بلڈنگ کا پہلا انعام حاصل کرنے والے محمد ابراہیم ابلا نے انڈین فلموں "نگینہ"، "مرزا صاحباں" اور "الف لیلا" میں دیو کا کردار کیا اور کبڈی کا مین سین بھی آپ کا ہی ہے۔ پاکستانی فلموں "گلبدن"، "گل بکاؤلی" میں بھی جن اور دیو کا کردار ادا کیا۔

پنڈی کے لڑکوں میں سے صرف اباجی کو انہوں نے سلیکٹ کیا تھا اور انہیں اپنے ساتھ ساتھ رکھتے اور شاگرد بھی بنایا۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ ایک دفعہ وہ کمیٹی چوک ہمارے گھر آئے تو ہمارے دروازے سے سیدھے نہ گزر سکے، ٹیڑھے ہو کر اندر داخل ہوئے۔۔۔۔ ایک دفعہ سواں سے بہت بڑا پتھر لا کر ناولٹی سینما والے چوک میں کھڑے ہو کر اپنے سر پر رکھ کر ہتھوڑوں سے تڑوایا۔

ایک دفعہ ڈھوک کھبے کے لڑکے ہنسے کہ دیکھ بوڑھا آدمی بازو چوڑے کر کے کیسے گزر رہا ہے۔ انہوں نے ایک چھ فُٹے نوجوان کو اُٹھا کر دور پھینک دیا اور کہا کہ اب بتاؤ تُو بوڑھا ہے یا میں۔۔۔۔ باقی سب لڑکے بھاگ گئے۔ (۱۷۲)

عبدالرحمان عرف مھان مٹی (پہلوان اور پہلوانی میں افضل پرویز کے استاد)

ہمارے استاد عبدالرحمان مھان مٹی تھے۔۔۔۔ اکھاڑے میں زور کرتے ہوئے "مٹیو مٹی" (اکھاڑے کی گیلی مٹی میں لتھڑے ہوئے) کے باعث "مھان مٹی" کے نام سے ہی سارے محلوں میں مشہور تھے۔۔۔۔

وہ اپنی جوانی میں شہر کے اچھے پہلوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ (۱۷۳)

مولوی نیک عالم

سکول میں افضل پرویز کے اردو اور فارسی کے اُستاد تھے۔ اُنہوں نے افضل پرویز کے اندر چھپے فنکار کو پہچان لیا اور وہ ان کی بہت حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ (۱۷۴)

اقبال چبہ (ایک گمنام دوست)

اس کے مرنے کا افضل پرویز کو دو سال بعد علم ہوا تو اس کی یاد میں ایک نظم لکھی جس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

کہاں گئے وہ لوگ۔ کہاں گئے وہ لوگ

گئے کہاں جودم ساز اور محرم تھے اپنے
کب روکا ہے رمتے جوگیوں کو مایا منڈپ نے
خود تو چلے گئے کسی انجانی نگری
جاتے جاتے ہم کو (۱۷۵)

محمد صادق عرف گلیڈ (پاکستان ہاکی کے نامور کھلاڑی)

پیدائش 1920ء، وفات 12 جون 1998ء۔

رشید احمد قلی

ریلوے میں قلی تھا، گانے کا شوق تھا۔ افضل پرویز اُسے ریڈیو اسٹیشن پہ لے جاتے اور اس سے گیت گانے کو کہتے۔ افضل پرویز نے اُس کی بہت رہنمائی کی۔

میجر ظفر

سیکورٹی آفیسر POF واہ کینٹ بھی افضل پرویز کے دوست تھے۔

بریگیڈئیر ریاض الحق

ممبر ٹیکنیکل اور چیئرمین CDA (سابق) پی پی پی کے راجہ شاہد ظفر کے پھوپا۔ (۱۷۶)

خاکسار دوست احباب

۱۔ راجہ سردار خان گکھڑ، قصبہ راجگان حلقہ روات۔
افضل پرویز کو راجہ سردار خان نے ہی علامہ مشرقی کی کتاب ''تذکرہ'' پڑھنے کو دی تھی۔

۲۔ اشرف سینڈو (چھانچھی محلہ راولپنڈی) کے رہنے والے تھے اور جنرل ریٹائرڈ جاوید اشرف کے والد تھے۔ یہ ۱۹۳۶ء کی بات ہے۔ اسی دن میرا دوست اور ہم

جماعت اشرف سینڈو بھی اپنے چند دوستوں سمیت اس تحریک سے وابستہ ہو گیا۔(۱۷۷)

۳۔ راجہ شیر زمان

۴۔ اللہ داد خان

۵۔ فضل الٰہی سینڈو

۶۔ لال خان جانباز

۷۔ سالار عبدالجبار (مری)

خاندان کی دیگر نمایاں شخصیات

۱۔ قاضی فضل الرحمن مرحوم (افضل پرویز کے سگے ماموں) برصغیر کے پہلے پوسٹ ماسٹر جنرل

۲۔ خورشید احمد (خالہ زاد بھائی) ڈیفنس سیکرٹری، فنانس سیکرٹری، بنگلہ دیش میں پاکستان کے پہلے سفیر۔

۳۔ قاضی نصیر اعظم (ماموں زاد بھائی) سابق منسٹر سرحد، آنریری فزیشن آف پریذیڈنٹ، آنریری بریگیڈیئر، صدارتی ایوارڈ یافتہ، ڈین فیکلٹی پشاور یونیورسٹی، صدر پاکستان ڈینٹل میڈیکل کونسل۔

۴۔ قاضی آفتاب احمد (بھانجا) شاعر، ادیب، محقق

۵۔ کاملہ انجم کامی (بھتیجی) شاعرہ (شعری مجموعے:

(۱) میں سوہنی سسی ہیروی نہیں (۲) لہولہو مجھے دیکھ

۶۔ ناہید خان، سیاسی رہنما (برادر ان لاء کی بیٹی)

۷۔ کرنل ٹرک اختر مرحوم (خالہ زاد بھائی)۔ ان کی ایک بیٹی ان دنوں جج ہیں۔

افضل پرویز کے پیش رو اور معاصر پنجابی شعراء

۱۔ اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی

۲۔ پیر فضل شاہؒ گجراتی (سائیں کے شاگرد)

۳۔ اللہ دتہ جوگی جہلمی

۴۔ اللہ داد چنگی (راولپنڈی وفات ۱۹۵۴ء)

۵۔ مرزا عبدالکریم ہمسر (رجب علی جوہر کے شاگرد)

۶۔ ساقی نائی (راولپنڈی وفات ۱۹۴۷ء)

۷۔ نذر حسین شاہ مضطر راولپنڈی وفات ۱۹۶۶ء)

۸۔ چوہدری محمد خان ذاکر (بوہڑ بازار، راولپنڈی، وفات ۱۹۶۲ء) (سائیں کے شاگرد)

۹۔ عنایت حسین اسیرؔ (گلی ملیاراں، راولپنڈی، وفات ۱۹۲۴ء)

۱۰۔ منشی رجب علی جوہر (سائیں کے ہم عمر اور معنوی شاگرد) (موچی بازار، راولپنڈی)

میرے نانا یعنی ناہید خان کے دادا مرحوم کے گہرے دوست، جنہوں نے میرے نانا کی وفات پر دو اشعار کہے جو اُن کی قبر پر کندہ ہیں۔ شعر درج ذیل ہیں۔

جب جہاں کے باغ سے جاتا رہا اک نونہال
مجھ سے فرمائش ہوئی کہنے کو سال انتقال
محو تھو میں جُستجو میں کہ پکارا یُوں سروش
گور میں جوہر رکھو عبدالغنی صاحب جمال!

(۳۰ ستمبر ۱۹۲۳ء، عمر ۲۸ سال، قدیمی قبرستان: ڈھوک کھبہ، راولپنڈی)

۱۱۔ سائیں فیروز گجراتی (۱۸۶۵ء۔۱۹۶۸ء) منشی رجب علی جوہر کے شاگرد، سائیں کے کلام پر سائیں کے کلام کے اثرات بھی ہیں۔ پنجابی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔

۱۲۔ کیدار ناتھ سوزؔ (عالم شباب میں ۱۹۱۵ء کو خودکشی کر گیا۔ اس کا تعلق بھی راولپنڈی سے تھا)

۱۳۔ باقی صدیقی (۱۹۰۹ء۔۱۹۷۲ء)

۱۴۔ عنایت حسین اسیر، فتح چند فتنہ اور نانک چند چمن بھی چند اہم نام ہیں۔ یہ تینوں بھی سائیں کے شاگرد تھے۔(۱۷۸)

پوٹھوہار کے ہندو، سکھ شاعر ادیب

موہن سنگھ ماہر، موہن سنگھ دیوانہ، درشن سنگھ آوارہ، کرتار سنگھ دُگل، ایشر سنگھ ایشر بھاٹیا، گورکھ سنگھ مسافر، دوھا تا سنگھ تیرؔ، پریتم سنگھ سفیر۔

پوٹھوہار تے سرحدی مٹی وچوں بڑے اُچے تے سُچے شاعر پیدا ہوئے ہَن
پر اوہناں وچوں بہتاں دا کوئی ذکر کسے تذکرے وچ نئیں ملدا۔
بس اوہو موتی پورے ملک وچ ودھیرے لشکے ہَن جیہڑے ایس کان
وچوں نکل کے دوجے بزاراں وچ اپڑے۔ اوہناں وچوں پروفیسر موہن
سنگھ ماہر، پوٹھوہار دے پنڈ تخت پڑی دا جم پل سی تے باقی صدیقی دے نال
دے گراں دھمیال دے پرائمری سکول وچ ۱۹۱۰ء وچ پڑھنے پایا گیا، فیر
اوتھے ای ویاہیا گیا۔ باقی صدیقی دھمیال دے پرائمری سکول وچ مشہور
افسانہ نگار کرتار سنگھ دُگل کولوں پڑھدا رہیا۔(۱۷۹)

گوربچن سنگھ بھوئی

ایڈیٹر: ماہنامہ ''ساہتکار''، امرتسر

ایڈیٹر: ماہنامہ ''میری بولی میرا دھرم'' اجراء ۱۹۹۳ء، لندن

''ڈاکٹر جگتار اُتے ایتھوں انگلینڈ توں سنتوکھ راہیں وی تہاڈے بارے
اکثر ذکرِ خیر ہُندا رہیا سی۔ راولپنڈی دا تاں کوئی ناں ای لے تاں میرے
جسم وچ خوشی دیاں جھرناٹاں چھڑ جاندیاں نیں۔ تُسیں تے ایس شہر دے
واسی ہو۔ پرچے وچ مَیں کدے کدے اپنیاں ماضی دیاں یاداں وی لکھدا
ہاں۔ کسے اگلے شمارے توں ''میرے ادبی سفر دی داستان'' شروع
کر رہیا ہاں تے اوہدی شروعات راولپنڈی توں ای ہوئی سی جدوں مَیں
اردو دا کوئی ناول سویرے پیدل آریہ محلے تو کچہری روڈ تے پڑھدا اپڑھدا
قلعے وچ (مکینکل اپرنٹس شپ کرن ویلے ۱۹۳۹ء توں ۱۹۴۲ء جا حاضر
ہُندا ساں تے ۵ وجے چھٹی ہون تو واپس فیر آریہ محلے تک پڑھدا ای
آوندا ساں۔ بازار نگواڑاں دیاں کتاباں دیاں دُکاناں دے کرایہ تے

لئے لئے اوددوں سارے ناول میں پڑھ چھڈے سن۔ ساری پنڈی نوں ای میری سلام۔"(۱۸۰)

ڈاکٹر جگتار سنگھ جگتار (بھارتی دوست: جالندھر)

"ڈاکٹر جگتار، افضل پرویز کے جالندھر کے دوستوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنا تخلص چیہا بھی افضل پرویز کے کہنے پر ہی برتنا چھوڑا تھا۔ ڈاکٹر جگتار دو دفعہ ہمارے گھر بھی آئے لیکن دوسری دفعہ والدصاحب ملائیشیا گئے ہوئے تھے اس لیے ملاقات نہ ہوسکی۔(۱۸۱)

فاروق امجد پرویز کے نام خط میں لکھتے ہیں:

کتاب "افضل پرویز: شخصیت اور فن" مؤلف: فاروق امجد پرویز" جدوں ملی تاں پڑھ نہ سکیا۔ کئی پل اشک ڈگدے رہے۔ پرویز میرا بہت ای گہرا یار سی۔ ۱۹۸۱ء وچ میں کئی ہفتے پاکستان رہیا ساں، کئی شہراں وچ پر ہوٹلاں وچ حالانکہ اوہناں شہراں وچ وی بڑے گہرے جگری یار سن، پر افضل پرویز اک ایسا مردِ مجاہد سی جس نے مینوں تے شاعر عبدالکریم قدس نوں اپنے گھر ٹھہرایا سی۔ پرویز تاں علم دا Encyclopedia سی۔ اوہ دن کدے میں بھلا نہیں سکدا۔(۱۸۲)

پریم سنگھ بجاج

"تہاڈے ابا جی دے کجھ یار بیلی تاں اجے جیوندے جاگدے تے سرگرم نیں تے ساڈی اکاڈمی دے بزرگ ممبر ہن۔ اُنہاں دے فون نمبر تے پتے بھیج رہاہاں۔

(اوہ من اپنے ناں نال چیہا نہیں ورتدے)

(a) Dr Jagtar

Kehkashan, Cantt Road, Mithapur,

Jalandhar-144022, Phone:0181-2271903

(b) Dr Kartar Singh Duggal, Ex-M.P.

P-7, Hauz Khas Ecnlave New Dehli-110016

Phone:011-26518497 & 26525787

(c) Dr. Harnam Singh Shuan

605,Sector-16, Chandigarh (u.t) India

Phone: 0172-2547605

سردار روشن سنگھ آوارہ ۱۹۸۲ء وچ اللہ نوں پیارے ہو گئے سن۔ (۱۸۳)

جسونت سنگھ وِنتا

پنجابی شاعر ونتا ۲۳ اگست ۱۹۸۸ء کو پٹیالہ بھارتی پنجاب میں وفات پا گیا۔ وہ راولپنڈی کا رہنے والا تھا۔ جہاں پہلے وہ تیلی محلے کے چوراہے میں گنڈیریاں اور موسمی پھل بیچتا تھا پھر اس نے اسی محلے کے اندرونی مغربی علاقے میں بوہڑ بازار والی زیارت کے پاس ایک دُکان کرائے پر لے لی تھی۔ اسی دوران میں اس نے پوٹھوہاری پنجابی میں اس وقت کے بیت بازوں خصوصاً سائیں احمد علی پشاوری کی شاعری سے متاثر ہو کر بیت کہنے بھی شروع کر دیے۔

وہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان سے اپنے پریوار کے ساتھ واہگہ پار چلا گیا اور پٹیالہ میں آباد ہو گیا لیکن اپنے وطن پاکستان کو وہ کبھی نہ بُھلا سکا۔ اسے جنم بھومی موضع چونترا، راولپنڈی کی گلیاں اور اپنی سیر و شکار گاہ کہوٹہ کبھی نہیں بھولا اس نے بھارت کے مشاعروں میں بھی اپنے وطن کی پہاڑیوں، وادیوں، پہاڑیوں کی جھڑبیریوں اور کوکن بیروں کی تعریف میں نظمیں سنائیں اور بڑی داد وصول کی۔

"میں ۱۹۸۳ء میں پٹیالہ یونیورسٹی میں پنجابی سیمینار میں حصہ لینے کے دوران پوٹھوہاری شاعر سے ملا جو جسونت سنگھ ونتا کے نام سے بہت معروف ہو چکا تھا۔ وہ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں میرا مقالہ سننے آیا۔ اس کے بیٹے

نے اُسے سہارا دیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بغل میں اپنی شاعری کی دو گورکھی
کتابیں دابی ہوئی تھیں جو اس نے مجھے عنایت کیں۔'' (۱۸۴)

دمنا کی ایک نظم ''کوکن بیر'' جس میں اس نے پوٹھوہار کی جھڑ بیریوں کے کوکن بیر، اپنی پریمکا، سوہان ندی کے امرت اور عطر بیز ہواؤں کو یاد کیا ہے:

نظم ''کوکن بیر'' کا ایک بند:

اج بیراں دی جھاڑی گردے ہوجانا نیاراں
جیونکر پھل دا رس چوسن لئی تتلیاں آن ہزاراں
راہ والی بوہڑی دے بیٹھاں ونڈنے جھے پانے
بیرونڈے جاں دل ہے ونڈیا بھیت نہ کوئی جانے
اک دوجے نوں تک تک جینا ونڈ ونڈ روٹی کھانا
امرت کولوں ودھ کے پیناسواں ندی دا پانی

کالی سپنی وانگوں لگدا جھیوا کھاکھا پھیر
اج فیر یاد آئے نیں وطناں تیرے کوکن بیر (۱۸۵)

بلراج ساھنی

انڈین فلمی ہیرو، گارڈن کالج راولپنڈی سے بی۔اے جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے انگلش کیا تھا۔ بقول امجد پرویز:

''اُن کی پیدائش محلہ شاہ چن چراغ، راولپنڈی ۱۹۱۲ء، میں ہوئی تھی۔ تین
سال کی عمر میں چھا چھی محلہ، عالم خان روڈ پر رہائش اختیار کی۔'' (۱۸۶)

بلراج ساہنی اپنے پاکستانی سفرنامے میں لکھتے ہیں:

''شہر کے صحافیوں نے مجھے لیاقت پارک میں پارٹی دی ہے۔ شورش ملک،
افضل پرویز، (جن کی پنجابی نظمیں بھارتی رسائل میں بھی شائع ہوتی
ہیں) اور دیگر کئی دوستوں نے پنجابی اور اردو کی ناقابلِ فراموش نظمیں
سنائیں۔'' (۱۸۷)

ادبی تنظیموں سے تعلق

پنجابی ادبی محفل

افضل پرویز پنجابی ادبی محفل کے بانی ہیں اور اس کے اساسی ممبر بھی تھے۔اس ادبی محفل کے زیادہ تر اجلاس راولپنڈی پریس کلب میں ہوتے تھے۔بقول رشید نثار:

> ''پنڈی میں اُس نے پارٹیزن آف لٹریچر کے پلیٹ فارم پر تحقیق ،تنقید اور تجزیے کا ایک نیا عہد شروع کیا تھا اور پنجابی ادبی محفل کی بنیاد رکھ کر پوٹھوہار کی تلاش کا آغاز کیا تھا۔''(۱۸۸)

اس محفل میں چاروں صوبوں اور کشمیر کی نمائندگی ہوتی اور مرکزیت اور پاکستانیت کو فروغ دیا جاتا تھا۔اس میں خالص تنقیدی کام ہوتا تھا اور اس کا پیٹرن حلقہ ارباب ذوق والا تھا یعنی ایک نظم، ایک غزل اور ایک افسانہ۔کڑی اور خالص تنقید ہوتی اور جو اس تنقید کو سہہ جاتا وہ شاعر یا ادیب بن جاتا۔بقول شفقت تنویر مرزا:

> ''اپنے زمانے وچ پنجابی مجلس وی چلائی تے بطور سیکرٹری چلائی۔''(۱۸۹)

افضل سچا اور کھرا بندہ تھا۔وہ بے لاگ تنقید کرتا۔کوئی رو رعایت یا لحاظ نہ کرتا۔اُن کے اندر پوٹھوہاری اور پوٹھوہار سے ٹوٹ کے محبت تھی لیکن اُن کی محبت کا دائرہ سندھ، بلوچستان ، سرحد اور کشمیر تک پھیلا ہوا تھا اور مرکزیت کا فروغ ہی اُن کا بڑا مقصد تھا۔(۱۹۰)

افضل پرویز نے پوٹھوہاری ثقافت پہ جتنا کام کیا وہ زیادہ تر قومی زبان اردو میں ہے۔اس طرح انہیں پاکستانیت کے حوالے سے روشناس کروایا جائے تو اُن کے کام کی عظمت کا صحیح احساس

اُجاگر کیا جاسکتا ہے۔

اختر امام رضوی اور قاضی آفتاب احمد اس محفل کے نمایاں سیکرٹری رہے ہیں۔(۱۹۱) اور اس محفل کے مستقل شرکاء اختر جعفری، اختر امام رضوی، قاضی آفتاب احمد، غلام رسول طارق، احمد شمیم، ابن آدم، ولیئہ یرشاد، طارق مسعود وغیرہ وغیرہ۔

پنجابی ادبی سنگت

بقول فضل الٰہی بہار:

"پنجابی ادبی سنگت کی بنیاد میں نے رکھی اور یہ ادبی سنگت ۳۵ سال سے چل رہی ہے۔ افضل پرویز صاحب نے "پنجابی ادبی سنگت" کی بہت سرپرستی کی۔ میں اس سنگت کا اساسی ممبر اور سیکرٹری بھی:۔ افضل پرویز باقاعدگی سے تشریف لاتے اور ہماری سرپرستی کرتے رہے۔ وہ کہتے پنجابی اور پوٹھوہاری کے لیے دو قدم آگے بڑھ کر کام کرنا چاہیے اور اس مقصد کے لیے میڈیا کو بھرپور استعمال کرنا چاہیے۔ پنجابی خصوصاً پوٹھوہاری کے ہر فنکشن سے پہلے اور بعد اخباروں میں ضرور خبر چھپنی چاہیے۔ وہ چونکہ خود صحافی تھے اس لیے خبر کی اشاعت کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ ریڈیو سے پنجابی خبریں نشر کروانے کے لیے ہم نے افضل پرویز صاحب کی صدارت میں قرارداد پاس کی اور ریڈیو سے پنجابی خبریں شروع کروائیں اور روزنامہ "امروز" میں بھی پنجابی زبان کے لیے جگہ مخصوص کروانے میں افضل پرویز نے اہم کردار ادا کیا۔"(۱۹۲)

PAL(مختلف فنکاروں کی تنظیم)

اس تنظیم میں اُستاد اسد علی خان، رشید عطرے، مصور علی امام، احمد پرویز(مصور)، خلیل قیصر(فلم ڈائریکٹر)، حفیظ راجا(اسسٹنٹ فلم ڈائریکٹر)، ذوالقرنین عرف ذورین (مصور،

براڈ کاسٹر اور ڈراما اداکار)، بنگالی مصور جہانگیر خان، ضیغم زیدی، حبیب امروہوی (ادیب و شاعر)، صادق ادیب، فتح محمد ملک، منو بھائی، شفقت تنویر مرزا خلیل قیصر اور افضل پرویز وغیرہ۔ یہ تنظیم مصوری، موسیقی اور تنقید کی محفلوں کا انعقاد کرتی تھی۔ (۱۹۳)

حرف و آغاز (ادبی ثقافتی تنظیم)

بقول نثار ترابی:

"حرف و آواز کے اہتمام سے سجائی جانے والی متعدد ادبی تقاریب ایسی ہیں جن میں انہیں خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ دس سال قبل جب میرا پہلا شعری مجموعہ "بارات گلابوں کی" منظر عام پر آیا تو اس کی پہلی تقریب (منعقدہ فلیش مین ہوٹل) کی صدارت بھی انہوں نے فرمائی۔ مجھے مذکورہ تنظیم کے تحت منعقد کی جانے والی موسیقی کی ایک ایسی یادگار تقریب بھی اکثر یاد آتی ہے جو ایک دہائی قبل مورگاہ راولپنڈی میں بپا ہوئی۔ صدارت نامور میوزک ڈائریکٹر اے حمید مرحوم نے کی تھی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے افضل پرویز مرحوم نے فن موسیقی کی جن باریکیوں اور گہرائیوں کی تفصیل بتائی تھی وہ انہیں موسیقی کی دنیا کا بھی ایک نابغہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھی۔ (۱۹۴)

گویا وہ اس تنظیم کی بھی سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔

مشاعرے کی روایت کو مضبوط کرنے میں افضل پرویز کا کردار

پاکستان دا کوئی ایسا شہر نہیں جتھے افضل پرویز جا کے مشاعرے نیں Institution نوں اگے نہ بڑھایا ہووے یا اوہ مضبوط قدراں بڑھاون وچ کردار ادا نہ کیتا ہووے۔ پوٹھوہار وچ پوٹھوہاری مشاعریاں اسی باقاعدگی تے دوام پنجابی ادبی محفل نے ذریعے ای ملیا۔ (۱۹۵)

مشاعرے کی روایت کو زندہ رکھا، خود صحافی تھے اس لیے تواتر سے خبریں اور رپورٹس شائع کرواتے۔ میڈیا کی بھرپور Coverage کے باعث پنجابی ادبی محفل اک پرکشش تنظیم بن گئی۔ افضل پرویز نہ ہوندے تے اج پوٹھوہار بہت پچھے ہوندا۔(۱۹۶)

اداروں سے تعلق

ریڈیو

ٹیلی ویژن

راولپنڈی آرٹس کونسل

مقتدرہ قومی زبان

اکادمی ادبیات پاکستان

لوک ورثہ

پاکستان بک فاؤنڈیشن

یہ تمام ادارے اُن کی موجودگی میں وجود میں آئے اور افضل پرویز نے اُن کی ترقی کے لیے بے پناہ خدمات انجام دی ہیں۔ بقول فضل الٰہی بہار:

''ان تمام اداروں کی اساس میں ''افضل پرویز دیاں ساہواں دی دھڑکن محسوس ہوندی اے''(۱۹۷) وہ پنجابی ادبی بورڈ کے ممبر بھی تھے۔''(۱۹۸)

اسٹیج ڈراما اور تھیٹر

بقول فخر عالم نعمانی:

''افضل پرویز کو تھیٹر اور اسٹیج ڈراموں سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ برصغیر کے کسی شہر میں جہاں بھی کوئی تھیٹر یا اسٹیج شو ہوتا، افضل پرویز وہاں پہنچ جاتے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا یہ جنون اور بڑھتا گیا۔ خاص طور پر خطہ پوٹھوہار کے کونے

کونے میں انہیں علم رہتا کہ کس کمپنی کا کون سا تھیٹر کس جگہ لگا ہوا ہے۔"

راولپنڈی میں ثقافتی سرگرمیوں کو مقبول بنانے میں اُن کے کالم "ثقافت بجی" کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔اس کالم میں وہ فنکاروں اور اسٹیج کمپنیوں کی قدر افزائی کے ساتھ ساتھ حکومتی ایوانوں تک اپنی آواز بھی پہنچاتے رہے۔لیاقت میموریل ہال، گارڈن کالج اور اصغر مال کالج کے ہال میں پروفیسر سجاد حیدر ملک اور پروفیسر نصر اللہ کی نگرانی میں ڈرامے پیش کیے جاتے۔راولپنڈی پریس کلب اور راولپنڈی آرٹس کونسل کے اسٹیج پر بھی نجی طور پر ڈرامے پیش کیے جاتے۔افضل پرویز نے ان ڈراموں کو مقبول بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ انھیں کی کوششوں سے لیور کلب صدر راولپنڈی کی انتظامیہ نے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں بہت سے ڈرامے پیش کیے اور آرٹسٹوں کے لیے بہت سی مراعات اور سہولتوں کا اعلان بھی کیا۔ان ڈراموں کو پیش کرنے میں مرحوم صدیق دوسا، مرحوم کبیر رحمانی، مرحوم سلیم الحق، مرحوم ستار بزمی کے علاوہ عبدالحمید بابائے ریڈیو، برکت اللہ، امتیاز باقری نثار ناسک وغیرہ نمایاں نام ہیں۔

آج راولپنڈی میں لیاقت میموریل ہال، ناز سینما، سنگیت سینما، ریالٹو سینما کے وسیع وعریض ہال اسٹیج ڈراموں کے مراکز بن چکے ہیں اور اسٹیج ڈراموں کی اس مقبولیت کا سہرا ہمیشہ افضل پرویز کے سر رہے گا۔(۱۹۹)

منظوم خراجِ عقیدت

قطعہ تاریخ وفات

مکین مکان خدا افضل پرویز

جب جا بسے فردوس میں افضل پرویز
اور قصر ملا خُلد کا راحت انگیز
تاریخ شمیم ان کی فنا کی پائی
سیاحِ عدم بن گئے افضل پرویز (۲۰۰۰)

☆ شمیم جان متھراوی ''قومی زبان''، کراچی، فروری ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۷

نذر افضل پرویز

خود تھا افضل ، بخت کا پرویز تھا
آب دانش سے صدا لبریز تھا
جس پہ نازاں دنیائے علم و عمل
جس کا ماضی ضوفشاں روشن تھا کل
ایک عزم بالیقیں اس کا بھرم
حوصلے اس کے بلند اس پہ کرم
وقت کی توقیر اس کے ساتھ تھی
نو بہ نو تنویر اس کے ساتھ تھی
فکر سے لبریز تھا اس کا طباق
زندگی کا ہمسفر اک طمطراق
سوئے منزل ہر گھڑی وہ گامزن
صورت سیماب لرزاں شعلہ تن
آگہی اس کا سفر ادراک فن
اس کے لہجوں کی مہک رشک ختن
اُس کو اللہ بخش دے میری دعا
اُس کو کر دے سُرخرو میرا خدا
خود تھا افضل ، بخت کا پرویز تھا
آب دانش سے صدا لبریز تھا

(طالب بخاری)

توں ہونداسیں

شام سویرے آسے پاسے ، توں ہوندا سیں
دیندا سیں توں پیار دلاسے ، توں ہوندا سیں
ہاسے ہسن دا وی جیویں بچ ہوندا سیں
ہُن کوئی کیوں نئیں ہسدا ہاسے ، توں ہوندا سیں
ڈاہڈا سی موتہہ زور رواجاں والا گھوڑا
کھنجے پایا ایہنوں راسے ، توں ہوندا سیں
تیرے باجھوں سُدھاں ماری وتّی دے وچ
ساتوں دینے کس بھرواسے ، توں ہوندا سیں
میں نوں ٹوں دے پاسے لاتا تیرا ای کم سی
توں ای لایا ایہنوں پاسے ، توں ہوندا سیں
ہُن تے چُپ ای چُپ اے جیویں نھیرا گھُپ اے
ہُن میں آکھاں کیہڑی آسے ، توں ہوندا سیں

(اخترشیخ)

افضل پرویز کے لیے ایک نظم

زندگی میں ہر گھڑی افضل رہا
آدمی تھا ، آدمی افضل رہا
اس نے لکھی اپنے خون سے داستاں
کیا جنوں کیا آگہی افضل رہا
اس کے قدموں میں رہی راہ حیات
اس کی رنجش تھی بے موج ثبات
وہ پجاری تھا غم انسان کا
آرزو اس کی تھی مثل کائنات
وہ قلم بردار اک مزدور تھا
آدمیت کے لیے مشہور تھا
اس نے سچ بولا سدا سچ کو لکھا
وہ تو اپنے عہد کا منصور تھا
زندگی میں ہر گھڑی افضل رہا

(رخسانہ نازی)

افضل پرویز نیں ناں

اہل قلم نی ہک شمشیر
خلق شرافت نی تصویر
اس نی پکی ہر تحریر
اس نیاں گلاں نِہ تاثیر
سُخن وری نیں باغ اندر
شعر اس نے سن پھل نوخیز
ناں جس ناں افضل پرویز

اوہ سی ہک یاراں ناں یار
دکھی بندیاں ناں غم خوار
نال ادیباں جس ناں پیار
پکے جس نیں قول قرار
اس نی شخصیت ناں جام
نال وفاواں سی لبریز
ناں جس ناں افضل پرویز

اپنے آپ وچ محسور
رہنا سی لالچ تو دور
آخنا سی او سچ ضرور
بھانویں بننا پئے منصور
علم ادب نیں رومی تئیں
اوہ سی ویلے ناں تبریز

ناں جس ناں افضل پرویز

اوہ سی پنجابی نی شان

پٹھواری ناں مان تران

ہے سی ماہر اردو دان

نظم نثر دواں نی جان

لکھنا سی اوہ شاد مزاج

کدھرے قصے درد انگیز

نآں جس ناں افضل پرویز

(دلپذیر شاد)

Scanned with CamScanner

افضل پرویز کی یاد میں

کارنیوال میں آ کر مجھے محسوس ہوا

انگنت چہرے ہیں اور ماسک ہیں، دوہرے تہرے

ڈارون، نیٹشے، بالزاک، ڈریگن، جن بھوت

کتنے رنگوں سے سجائے ہوئے پیکر، اجسام

کارنیوال میں بدمست، خوشی سے بے حال

شہر کے ایسے ہی میلے میں ملا تھا مجھ کو

ایک درویش

چمکتی ہوئی آنکھوں والا

کارنیوال کی اس بھیڑ سے فرسنگ پرے

نہ کوئی ماسک، نہ پوشاک کوئی مضحکہ خیز

بات کرتا تھا

محبت کی، لطافت کی، روایات کی بات

وہ روایات جنہیں بھول چکی ہے دنیا

اس کے لہجے کا وہ گھمبیر، محبت بھرا لوچ

جس پہ سوچوں تو ٹھہر جاتی ہے میری ہر سوچ

ماسک والے ابھی زندہ ہیں

مگر وہ چہرہ

چادرِ خاک میں خوابیدہ ہے

میرے درویش

تیرے قرض بہت ہیں مجھ پر

کارنیوال میں اک تیرے نہ ہونے کا ملال

ایسی برچھی ہے کہ ہر سال تیری برسی پر

دل میں گھلتی نہیں، خنجر کی طرح چبھتی ہے

میرے درویش

تیری سادہ مزاجی پہ نثار

مصنوعی چہروں کی اس بھیڑ کا رنگ و روغن

کارنیوال میں جا کر کسے ملتا ہے مجھے؟

تو نہیں ہے تو یہ میلہ مرے کس کام کا؟

میرے تو دل میں فقط عشق تیرے نام کا ہے

(پروفیسر اعتبار ساجد)

بہ یاد افضل پرویزؔ

کھوجی تھا وہ زر ذرّوں سے ریت کے بھی ہے نکال گیا

جو بھی مدہم نقش ملا ، اُس نقش کو وہ اُجیال گیا

رقص ہو، سُر ہو، حرف اور صَوت ہو، شعر ہو، سب کے حوالوں سے

پوٹھوہار کے دامن کو وہ کر کے مالا مال گیا (۲۰۱)

(ماجد صدیقی)

افضل پرویز کے لیے (غیر مطبوعہ)

وہ افضل تھا، کہ سچا اک قلم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل تھا، کہ اک اونچا علم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل تھا، کہ باہم شہد و سَم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل تھا، کبھی کوئی نہ خم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل تھا، زیادہ یا کہ کم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل تھا، فقیری میں حشم تھا ہاتھ میں اُس کے
وہ افضل، کوزہ گر تھا، اور بنانا جانتا تھا وہ
وہ افضل، اک کنواں تھا اور پلانا جانتا تھا وہ

(قیوم طاہر)(۲۰۲)

نظم

ککّی جس دے بڈ نہ رچی
کوٹھے تے چڑھ کہندا اچی

گوڑا دا سینہ ساڑ گیا ہے
نورا گشتی تاڑ گیا ہے

(انور مسعود)(۲۰۳)

غزل

نُچے نُچے پَر و بال اور بُجھی بُجھی آواز!!
نہیں ہے تابِ شنیدن قفس کی بات نہ چھیڑ

رہِ حیات میں آرام کا خیال عبث
مقامِ عشق میں حرص و ہوس کی بات نہ چھیڑ

ان اونچے اونچے دو محلوں کی پستیاں توبہ
بلند بام ، سنہرے کلس کی بات نہ چھیڑ

مری سُپردگی و بے بسی تو ظاہر ہے
اگر نہ چاہے تو تُو اپنے بس کی بات نہ چھیڑ

یہ سُن کے میرے کلیجے پہ چوٹ پڑتی ہے
مسافری میں کسی ہم نفس کی بات نہ چھیڑ

بہار اب کے بھی زرد اور خزاں رسیدہ ہے
فریب دینے کو اگلے برس کی بات نہ چھیڑ

اُدھر وہ پیاس کہ میخوار ٹوٹے پڑتے ہیں
اِدھر یہ وعظ و نصیحت کہ رس کی بات نہ چھیڑ

غزل

حیثیت اس کی شعلۂ خس کی نہیں نہیں
جیون کی جوت یک دو نفس کی نہیں نہیں

ماحول کو ہے شعلہ نوائی کی احتیاج
یہ رُت کڑی ہے راگ کے رس کی نہیں نہیں

لیلائے زیست انجمن آرا ہوئی تو ہے
پر شوخ کی نقاب ابھی مسکی نہیں نہیں

راہ سفر میں غول بیاباں بھی ہوتے ہیں
صحرا کی ہر پکار جرس کی نہیں نہیں

گلچیں سے رُک سکے گا نہ طوفانِ رنگ و بُو
لے "جنگل کی آگ اوس کے بس کی نہیں نہیں"

پاکیزگیٔ عشق کو پل بھر سہار لے
اتنی مجال ظرف ہوس کی نہیں نہیں

بلبل تو قید میں ہے پہ اسکی صدائے درد
ہر گز اسیر دام و قفس کی نہیں نہیں

لے شہرت بخاری کا مصرعہ

غزل

مہکا ہوا کھلتا ہوا شاداب چمن ہے
اک روح لطافت ہے کہ جاناں کا بدن ہے

انداز بیاں میں جو یہ بے ساختہ پن ہے
تیری ہی چبھن ہے اور مرے دل کی لگن ہے

دوراں کے بیاباں میں خیاباں تری آغوش
اس دھوپ میں آنچل ہی ترا سایہ فگن ہے

تاریکیٔ ہجراں میں اترتی ہی چلی جائے
اُمیدِ وصال ایسی لپکتی سی کرن ہے

دم لینے کو بیٹھا ہوں تو اس دم ہوا محسوس
چھالوں میں جلن کتنی ہے کس درجہ تھکن ہے

اے یارو کوئی چارہ کرو شمع جلاؤ
اس گھور اندھیرے میں سفر دونا کٹھن ہے

مہلت ہی کہاں عرضِ تمنا کی ملی ہے
دل اور زباں میں ابھی گھمسان کا رن ہے

سن لیتے ہیں ناکردہ وفاؤں کے فسانے
محفل میں کسے تیرے سوا تابِ سُخن ہے

کہہ دیتا ہوں بس سیدھے سبھاؤ سے کھری بات
وہ کہتے ہیں پرویزؔ بڑا صاحبِ فن ہے

غزل

یہاں سب کچھ وہاں کچھ بھی نہیں ہے
ورائے آسماں کچھ بھی نہیں ہے

اَب اس منزل پہ آ پہنچے ہیں درویش
جہاں فکرِ زیاں کچھ بھی نہیں ہے

ترے افسانے رنگین و دلآویز
ہماری داستاں کچھ بھی نہیں ہے

درِ محبوب تک سَو مرحلے ہیں
فقط آہ و فغاں کچھ بھی نہیں ہے

وہ گدرایا ہوا جسم اللہ اللہ
حریر و پرنیاں کچھ بھی نہیں ہے

نگارِ زیست ہے اور میں ہوں پرویزؔ
ہمارے درمیاں کچھ بھی نہیں ہے

غزل

وقت کے طوفانی ساگر میں کرودھ کپٹ کے ریلے ہیں
لیکن آس کے مانجھی ہر لحظہ موجوں سے کھیلے ہیں

پگ پگ کانٹے منزلوں صحرا کوسوں جنگل بیلے ہیں
سفر زیست کٹھن ہے یارو راہ میں لاکھ جھمیلے ہیں

الکھ جگائے دھونی رمائے دھیان لگائے رہتے ہیں
پیار ہمارا مسلک ہے ہم پریم گرو کے چیلے ہیں

راہزنوں سے گھبرا کر سب ساتھی سنگت چھوڑ گئے
اور پُر خوف ڈگر پر گرم سفر ہم آج اکیلے ہیں

حسن کی دولت اس کی ہے اور وصل کی عشرت بھی اسکی
جس نے پل پل ہجر میں کاٹا جور سہے دکھ جھیلے ہیں

بازی گاہ دار و رسن میں میکدۂ فکر و فن میں
ہم رندوں سے رونق ہے ہم درویشوں سے میلے ہیں

جیون کی کومل ابلا کا سوئمبر رچنے والا ہے
آؤ صلائے عام ہے سب کو جتنے بھی البیلے ہیں

غزل

زوج کا رنگ ہی کیا کم تھا اب تل بھی بنا لیے گالوں پہ
اس بہروپ سے ہم بھر پائے ۔ رحم کرو بد حالوں پہ

کیونکر آپ بھروسا کیجئے چنچل پری جمالوں پہ
کیا معلوم کہ کب رکھ لیں نقلی پلکوں کے بھالوں پہ

یہ دنیا سرکس کا رنگ ہے اور غلط بخشی چابک
بندر شاہسواری کرے اور چیتا ناچے تالوں پہ

افطاری کے سموسوں کی مانند بکیں ڈائجسٹ یہاں
"فنون" ۔ "اوراق" ۔ "قند" پڑے سڑتے ہیں بک سٹالوں پہ

تپتے سفر میں ہارے اِک دلدل نے رستہ روک لیا
کیچ نے میرے پاؤں لیے اور مرہم رکھ دیا چھالوں پہ

ہم نے بدمستی میں دست درازی کی ہوگی پرویزؔ
محتسب شراب پلا کر اب کیوں دوش دھرو متوالوں پہ

غزل

گاؤں کی پنہاریاں چھائی جائیں مرے خیالوں پر
دشت کی سیر کو آیا ہوں تو غزل ہو جائے غزالوں پر

دو دو گھڑے اٹھائے لچکتی بل کھاتی اٹھلاتی جائیں
مور چکور کے ناچ فِدا ہوویں جٹیوں کی چالوں پر

حدِّ نظر تک ہریالی ہے ہر سُو سرسوں پھولی ہے
سُندر سُندر پھول کڑھے ہیں مُیاروں کی شالوں پر

اس دھرتی کی کوکھ سے کِس کِس نوع کے گُل بُوٹے پھوٹے
کیسی کیسی پریم کتھائیں نقش ہیں ہَل کے پھالوں پر

جو دنیا کے سرپرِ کائنات ہیں اور تہذیب کی مشعل ہیں
عُسرت کے سائے پھیلے ہیں ان چہروں کے اُجالوں پر

غزل

اس کے شہر آیا ہوں تو اس کے پاس نہا دھو کر جاؤں
ایسی بھی کیا بدحالی کہ وہاں بھی خاک بسر جاؤں

کیا کیا تصویریں چلتی تھیں بھاگتی ٹرین کی کھڑکی میں
ہر لحظہ یہ خیال آتا تھا یہیں کہیں پہ اُتر جاؤں

گھر میں گھٹ کے رہ جاؤں یا باہر جا کر سر پھوڑوں
اک دیوار کھڑی ملتی ہے جس رستے سے جدھر جاؤں

جس کو زیست کا مقصد جانا جس کی کھوج میں عمر کٹی
ایک نظر ہی دیکھوں اُسے پھر اس کی بلا سے مر جاؤں

منزل سے پہلے ہی گھور کچھار سا جنگل پڑتا ہے
اس رستے میں ٹھہر جاؤں تو اپنی جاں سے گذر جاؤں

میں ہوں اچھوتا خیال اَنَس کے دشت میں مرجھاتا ہوا پھول
تازہ ہوا کا جھونکا آئے تو خوشبو سا بکھر جاؤں

ویٹنگ روم کی گھڑی بنچ پہ ہی جھپکی لے لوں پرویزؔ
آدھی رات کو کِس کا در کھٹکاؤں کِس کے گھر جاؤں

غزل

مجھے تری ہی طلب تیری جستجو ہے بہت
تو خود کہاں ہے ترا ذکر گو بگو ہے بہت

مرے لیے بھری دنیا میں ایک تُو ہے بہت
نگاہِ لطف ہے کافی یہی سبُو ہے بہت

کہاں ہیں تارِ نظر اور سوزنِ مژگاں
کہ دل دریدہ کو پھر حاجتِ رفُو ہے بہت

میں اپنے آپ سے بھی بات کر نہیں پاتا
کہ گرد و پیش میں طوفانِ ہاؤ و ہُو ہے بہت

اُدھر سے قافلۂ نو بہار آتا ہے!!!
اسی لیے اُفقِ شرق سُرخرو ہے بہت

ذلیل و خوار ہوا ہے مصاحبت میں تری
وگرنہ شہر میں شاعر کی آبرو ہے بہت

دیپک راگ

جھپ تال ۔ بلمپت لے ۔ سمپورن دیپک راگ
استھائی ۔ ابھوگ ۔ بڑھت ۔ انترا اور سنچاری
تانیں سارنگی کی اور تھاپ پکھاوج پر
دیپک پہ سنہری جلا ۔ سازندوں کی فنکاری

سُر لے کی ترتیب اور سرگم کی بندش خوب
پر بجھے ہوئے دیپک میں استاد جی! آگ کہاں
اُس نغمے کے اجزا اس دیپک کی کرنیں
جو میں سُن آیا ہوں وہ دیپک راگ کہاں؟

نیاریں نو پچھتے مٹی کے گھڑے اٹھائے
اٹھلاتی ہوئی نکلیں گاؤں کے دھندلکوں سے
ٹیڑھی پگڈنڈیوں پہ بل کھاتی ہوئی ابھریں
پیکاں برساتی ہوئی متوالی پلکوں سے

گاؤں سے نکلتے ہی کھیتوں میں پہنچتے ہی
ماہیا کے کَل گیتوں کا کورس گانے لگیں
امرت ٹپکانے لگیں شعلے برسانے لگیں
ماحول لرزنے لگا ماحول پہ چھانے لگیں

اس نغمے کے اجزا اس دیپک کی جیوتی
ان قہقہوں کی کھنکیں ان باتوں کی سرگم
یہ اس آنچل کی لے پازیبوں کی جھنکار
چنگاریاں اور شعلے آواز کا زیر و بم

ماحول سے چھنتی ہوئی انترے کی اٹھان بڑھی
گاؤں کو گھیرے ہوئے ٹیلوں کے ہالے تک
اور مدھم ہوتی ہوئی استھائی لطیف و سبک
قلقل جاموں کی کھنک رنگیں کلیوں کی چٹک

کھیتوں سے نکلتے ہی اور موڑ سے مڑتے ہی
ٹھٹھکیں ۔ تانیں ٹوٹیں اُڑتے آنچل سمٹے
لانبی پلکیں جھپکیں ۔ گالوں کی شفق بھڑکی
آپس کے ٹہوکوں پر کریں لچکاتے ہوئے

سرگوشیاں کرتے ہوئے ۔ مبہوت مسافر پر
اِک ایک نے قاتل فنکارانہ نظر داغی
دیپک سے چمکنے لگے شعلے سے لپکنے لگے
کھیتوں میں پہنچتے ہی اور موڑ سے مڑتے ہی

پھر آنچل اُڑنے لگے پھر نغمے گونج اٹھے
پھر شعلے لپکنے لگے ماحول بھی گونج اٹھا
گاؤں کو گھیرے ہوئے ٹیلوں کے ہالے تک
اُف۔ دیپک کی کرنیں اُف نغمے کے اجزا

وہ دن گئے

مرغن غذاؤں کا ماسن بدن

اور گداز اور بُوٹا سا قامت

گھنی اور بُراق سی ریش

بادامی آنکھوں میں سُرمے کی تحریر

متوّر جبیں

تازہ خوں کی شفق چہرے پہ پھیلتی اور سمٹتی ہوئی

کلاسیکی اور دستار و جُبہ سے آراستہ

اور مرصّع عصا سے مزیّن

وہ بستی میں آیا بصد طمطراق

جلو میں حواری ہر اک نقشِ پا سے لپٹتے ہوئے

اِدھر پیشوائی کو جاگیردار ------ مجسّم نیاز

اپنے گرگوں سمیت

ایک اک جنبشِ چشم و آبرو پہ بچھتا ہوا

قدم لینے آیا

اُدھر گاؤں کے ایک اک گھر میں جا کر

زمیندار کے خاص ڈھنڈورچی نے یہ مژدہ سنایا

''حویلی میں مرشد بہ نفسِ نفیس آج مسند نشیں ہیں

وہ زخمی دلوں کی دوا ہیں

وہ مایوس لوگوں کے ڈھارس ہیں

مسیحا نفس ہیں

وہی کعبۃ السالکیں خضر راہ طریقت ہیں

حاجت روا ہیں

چلو چل کے شیرینیاں اور نذرانے اُن پر نچھاور کرو

بڑھو اور اس بہتی گنگا سے سیراب ہو لو"

\-------------

مگر ۔۔۔۔۔ ایک الہڑ کنواری

گھڑا سر پہ رکھے

انکھیوں سے تکتی ۔۔۔۔۔ مٹکتی ہوئی

اپنا بوسیدہ آنچل سنبھالے

کچھ اس بے نیازی سے اُس رہ سے گذری

کہ جیسے یہ سب کچھ سنا ہی نہیں ہے

اور اک چھیل گھبرو

دریدہ و قبا میں مگن

مشقت کی لو سے دمکتا ہوا

پسینے کے موتی لٹاتا ہوا

افق پر نگاہیں جمائے

سبک گام بیلوں کو ٹخارتا

حویلی کے آگے سے اس طرح گذرا

کہ جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں ہے

حکمراں کی ساحری

ہمارے ماموں کے باغ میں شہ پسند کے پیڑ جھولتے ہیں

ہم ان کے بھانجے ہیں۔ان کی سب سے بڑی بہن کے چہیتے بیٹے

وہ کتنے ہمدرد ہیں ہمارے

انہوں نے اسکول کی مصیبت سے بیوہ ماں کے جگر کے ٹکڑے کو کتنی جلدی چھڑالیا ہے

اور اپنے آموں کے باغ کی خاص خاص خدمات سونپ دی ہیں

مزے سے آموں کی چھاؤں میں گو پھیلا لیے اونگھتے ہیں دن بھر

ادھر حمید و نسیم و نجمہ (ہمارے ماموں کے شوخ بچے)

پھنسے ہیں کالج کی الجھنوں میں

ہماری بیگم بھی ہیں مزے میں

امور خانہ تو سب انہیں کے سپرد ہیں

اور ہمارے ماموں اور ان کی بیگم اور ان کے بچوں کے

اجلے کپڑے چمکتے سیٹ ہیں ہماری بیگم کے دم قدم سے

بڑی ہی بھولی بہت ہی کم گو بڑی لیقہ شعار ہیں وہ

ہمیں نہیں غم۔نہیں ہوئی پوری نانا مرحوم کی وصیت

وہ شوخ نجمہ اک آنکھ بھاتی نہیں ہمیں تو

بلا سے اس بھونڈے اور توندیل خانصاحب سے بیاہ دی جائے

ہماری بیگم ہمیں مبارک

مگر وہ عفریت اس کا ہمزاد اس کے تحت الشعور کا دیو

جس پہ خواب گراں ہے طاری

کبھی کبھی بڑبڑانے لگتا ہے نیند ہی میں

''مجھے کسی پیڑ کے تنے سے کوئی دفینہ ہی ہاتھ آ جائے
ہزاروں لاکھوں کی میرے حق میں کبھی کوئی لاٹری نکل آئے
تو اپنے ماموں کے باغ سے دس گنا بڑا ایک باغ لے لوں
فلن تو کیا ایک کار لے لوں
میں سوٹ پہنوں شراب انڈیلوں
تو میرا ماموں خوشی سے مجھ کو میرے پہلو میں لا بٹھائے''

مگر یہ آواز ڈوب جاتی ہے خواب کے بحر بیکراں میں
اور اس کے ماموں کے سبز باغ اس کے سامنے لہلہانے لگتے ہیں ناچتے ہیں
یہ پا بریدہ یہ پر شکستہ ارادے ان کی بساط ہی کیا اڑان ہی کیا

مگر وہ عفریت اس کا ہمزاد اس کے تحت الشعور کا دیو
کسی دھماکے سے یک بیک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے چونک اٹھے
تو جانے کیا ہو؟

قوالی

بطرز: ۔ جس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا

گلچیں ہے روک کلیوں کے مسکرانے میں
مانع ہے برق کیاریوں کی لہلہانے میں
بلبل قفس میں ۔ مالی کڑے قید خانے میں
"تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

بلبل کے نغمے تیری طبیعت پہ بار ہیں
پھولوں کے قہقہے ترے نزدیک خار ہیں
نیت خراب ہو تو بہانے ہزار ہیں
اے تو کہ بے مثل ہے بہانے بنانے میں
"ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

تیری شہنشہی میں ہے ہر مدعا پہ قید
نطق و زباں پہ تالے ہیں فکرِ رسا پہ قید
امن و اماں پہ پہرے ہیں مہر و وفا پہ قید
جب جس کو چاہا ٹھونس دیا قید خانے میں
"ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

دانوں پہ دام ، باغ و نشیمن پہ بجلیاں
فصلوں میں بھوک ، حاصل و خرمن میں بجلیاں
مطرب پہ قید ، ساقیٔ پُر فن پہ بجلیاں
منڈلا رہی ہیں سکڑوں بادہ خانے میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

تم سے نہ بے حجابی نہ پردا ہی ہو سکا
بیمار غم مرا ہی نہ اچھا ہی ہو سکا
ملنے کا وعدہ تو تا نہ ایفا ہی ہو سکا
دل پھڑ پھڑا رہا ہے اسی تانے بانے میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

قیدی ترے کبوتر و دراج و سار ہیں
کنجشک و قمری تیرے چہیتے شکار ہیں
فتراک میں اسیر ستم بے شمار ہیں
اے تُو کہ لا جواب ہے پھندا لگانے میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

دل خون ہو تو آہ کا بھرنا بھی جُرم ہے
جینا وبال تھا ہی پہ مرنا بھی جُرم ہے
وہ دور ہے کہ جُرم نہ کرنا بھی جرم ہے
پھنکارتے ہیں ناگ اک اک آشیانے میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

گیت

جاگ نمانے جاگ
ستیاں ستیاں وقت گذاریں
جاگیں تو فر ہوکے ماریں
سوں گئے لیکھ تے بھاگ
جاگ نمانے جاگ

نیندر موت تے جاگ حیاتی
نیندر کر لے راتی راتی
سرگی نیندر تیاگ
جاگ نمانے جاگ

راہ اپڑھا منزل اوکھی
وقت دی ٹیر اسوڑ انوکھی
تال رکاب نہ واگ
جاگ نمانے جاگ

بھاویں سو کوئی ترلے پاوے
گھتا ویلا ہتھ نہ آوے
وقت اُن کیلیا ناگ
جاگ نمانے جاگ

گیت

کاہنوں سینتاں مارنی ایں

چودھریاں دیے کڑیے مینوں چارنی ایں

میں رانجھ تے چاک تہاڈا

انگ نہ سنگ نہ ساک تہاڈا

توں پنڈ دی سردارنی ایں

چودھریاں دیے کڑیے مینوں چارنی ایں

اپنے وتوں بیر سداویں

لج پالاں دی پیر کہاویں

کھب دے ڈاراڈارنی ایں

چودھریاں دیے کڑیے مینوں چارنی ایں

کربل دا میدان

کربل دا میدان اک سونے رنگا کھیتر
اس دے پوو ما نبہ اُتے واری جاوے چیتر
اس دھرتی نوں امبر نیوں کے دیوے سلامی
اس دھرتی تے عرشوں وسّے نور مدامی
اس چمن تے آل نبیؐ نے لائے ڈیرے
اپنے پاک لہو دے رتے سوتی کیرے
اس کھیتر وچ پاک لہو دے سوتی دکے
اَنّھے ہنیری راتیں چانن بن کے چمکے
اِتھے دلیر شہیداں ات حیاتی پائی
حق فر زندہ ہویا باطل نوں موت آئی
کدھرے وی کوئی جھوٹھ کھلارے اوہا کربل
کھوٹ جتھے وی پَیر پسارے اوہا کربل
جتھے کسے تے پانی بند ہو وے اوہ کربل
کتے وی فسق و فجور دا گند ہو وے اوہ کربل
پر ایہہ منزل مارن تائیں شہادت شرط اے
وگدیاں تلواراں دی چھائیں عبادت شرط اے
خاکی پتلے اندر رُوح حسینی ہو وے
فیر کسی کربل وچ باطل کیویں کھلووے

کھڑی شریف[1]

(پوٹھوہاری رُوپ)

خوش وسے ایہہ دیس بُھجڑا سُکھی رہے ایہہ وستی
اس کی بھاگ لگائے میاںؔ محمد جیہی ہستی
میر پورے نے واسی اُچیاں سُچیاں شاناں والے
سیف ملوک نے میخانے چوں بھر بھر پین پیالے
میاںؔ محمد جہاں پرستاناں نے سُفنے ویکھے
اُنجن سُجن سچ ہوئے تے پئے اساڑے لیکھے
ویرانے نے لیکھیں لکھیاں سنگیں نیاں[2] ملہاراں

ازلوں تر ہائی وستی تے وسیا رنگ پھوہاراں
اتھے شاہ پری نیاں زُلفاں بدلیاں بن بن آون
رنگاں تے راگاں نے بگلے اَن مُلّے ورتاون
انہاں ہواواں وچ پریاں نیاں ڈاراں تاریاں دیون
کھڑؔی شریف اج چمن والاں نال بہاریاں دیون
جن ہتھ بدّھے غلاماں وانگر پل وچ محل اُسارن
حکم نے بندے اُنجن چھیتی سارے کاج سوارن

1. میر پور آزاد کشمیر دا علاقہ جتھے میاں محمد صاحب دا مزار اے
2. ''میاں کی ملہار'' ساون رُت دی راگنی

پاک وطن

پاک وطن پیارا وطن

وسدا رہے

وسدا رہے ، بخت ہسدا رہے

اس دے دریا ٹھاٹھاں مارن ، اس دے بدل موتی وارن

اس نوں فصلاں خوب سنوارن ، باغ بغیچے رنگ کھلارن

رُوپ سہانے وسدا رہے

وسدا رہے ، پاک وطن

ساڈی مٹی دی کستوری ، ساڈے ستو گھیو دی چوری

ساڈے جذبے صدق صبوری ، ساڈے سپاہی نوری حضوری

ساریاں دے من کھسدا رہے

وسدا رہے ، پاک وطن

پُوناں وچ خوشبوآں گھلیاں ، ویہڑیاں دے وچ خوشیاں ڈلھیاں

چار چوفیرے مستیاں تھلیاں ، کھلیاں کھلیاں ساڈیاں کلیاں

شالا وسدا رسدا رہے

وسدا رہے ، پاک وطن

ساڈے گھبرو آناں والے ، اُچیاں اُچیاں شاناں والے

سوہنیاں پیڈیاں جاناں والے ، سدھراں تے ارماناں والے

ایہناں توں ویری نسدا رہے

وسدا رہے ، پاک وطن

اُلامھاں

کاہنوں سجرے ظلم کماؤندے او فیر غیراں دی گلاں تے جاؤندے او

اگلے زخم اجے تک رسدے نیں چھری فیر پئے سان تے لاؤندے او

مہینوال دے پٹ دا ماس کھا کے وی چنوں رار نہیں آؤندے او

کھکھے پیٹ رانجھا مہیں چار دا اے آپی بیٹھ سجیس چوری کھاؤندے او

ایداں درد اوڑا گھمدا نہیں بنھا بول دارُو ساڈے پھٹ دا نہیں

ای پھٹاں لئی مرہم منگنے آں تسی گلاں دے نال پر چاؤندے او

موئے ماریاں ہوئیاں دا تڑفنا کی پھاہی پھسنے پکھیرو دا پھڑکنا کی

ہتھیں ہتھکڑیاں پیریں بیڑیاں پا تُسی تیراں تے تیر چلاؤندے او

اُچی ماڑی دے اطلسی پردیاں نوں سرکاؤ ذرا باہر ویکھو تاں سہی

کیہڑا رانجھا اے تہاڈا فقیر اج کل ہُن کیہڑے مہینوال نوں بھاؤندے او

ساڈے پیار نکھاریا روپ جیہڑا اوہنے مُکھ تے کالکھاں مَل لیئاں

تُسی رُوپ کالکھ تاں دھوندے نہیں ساڈے پیار تے تہمتاں لاؤندے او

جدوں جوگیاں بغلی پانتی سائیں جس دن دُھونی رما دتی

اساں ونجھلی جدوں وجادتی فیر ویکھاں گے کیکن نہیں آؤندے او

گھونگھٹ آکئے تد گجھ بجدا اے سچ کہئے تو بھانبڑ مچدا اے

تُسی رنگ محل دی خیر منگو کاہنوں سچ ساتھوں اکھواؤندے او

حوالہ جات و حواشی

۱۔ افضل پرویز: فن، شخصیت اور خاندانی پس منظر از قاضی فاروق امجد پرویز مشمولہ افضل پرویز۔ شخصیت اور فن: راولپنڈی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز: ۲۰۰۵ء، ص: ۸۔۱۵

۲۔ افضل پرویز سے گفتگو، ۲۰ اگست ۱۹۹۱ء

۳۔ انجم رضوانی سے گفتگو، ۱۷ اگست ۱۹۹۱ء / افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص: ۱۵

۴۔ غم روزگار کے از افضل پرویز: راول پنڈی، مکتبہ خرابات: پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۶
(یہ دوہا ابوسعید قریشی کے لیے لکھا گیا تھا جو افضل پرویز اور باقی صدیقی کی چشمک میں باقی صدیقی کا حمایتی تھا)

۵۔ افضل پرویز: فن، شخصیت اور خاندانی پس منظر مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص: ۱۵

۶۔ ایضاً

۷۔ افضل پرویز سے گفتگو، ۲۰ اگست ۱۹۹۱ء

۸۔ افضل پرویز: فن، شخصیت اور خاندانی پس منظر، ص: ۱۶

۹۔ افضل پرویز سے بالمشافہ گفتگو

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ حالات و نگارشات از افضل پرویز مطبوعہ گورڈو نین ۲۰۰۷ء، ص: ۱۰۶ تا ۱۰۸
(اس مضمون کے آغاز میں تاریخ پیدائش ۱۹۱۳ء لکھی ہوئی ہے جو کہ غلط ہے۔ اگلی سطروں میں ۱۹۱۶ء ہی چھپا ہے۔ اصل مضمون میں دونوں دفعہ ۸ مارچ ۱۹۱۶ء ہی لکھا ہوا ہے۔ افضل پرویز صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مضمون میرے پاس موجود ہے۔)

۱۳۔ افضل پرویز: فن، شخصیت اور خاندانی پس منظر، ص ۸

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ افضل پرویز: زندہ جاوید شخصیت از بشیر حسین ناظم مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص: ۱۰۱

۱۶۔ افضل پرویز سے بالمشافہ گفتگو

۱۷۔ بن پھلواری: افضل پرویز: اسلام آباد، پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس: پہلا ایڈیشن: ۱۹۷۳ء، ص: ۲۰

۱۸۔ لوک تھیٹر: افضل پرویز: اسلام آباد، لوک ورشا اشاعت گھر: ۱۹۸۸ء، ص ۷

۱۹۔ افضل پرویز سے بالمشافہ گفتگو

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ افضل پرویز: فن، شخصیت اور خاندانی پس منظر، ص: ۹

۲۳۔ افضل پرویز سے بالمشافہ گفتگو

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ عطا حسین کلیم سے انٹرویو، ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء

۲۶۔ افضل پرویز سے گفتگو

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ بن پھلواری، ص ۲۲

۳۱۔ خاکسار تحریک: افضل پرویز مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص: ۱۹۲

۳۲۔ ایضاً، ص: ۱۹۲۔۱۹۳

۳۳۔ ایضاً، ص: ۱۹۳

۳۴۔ بالمشافہ گفتگو

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ پوٹھوہاری مشترکہ میراث کا امین: افضل پرویز، ڈاکٹر رشید نثار مشمولہ افضل پرویز: شخصیت

اور فن، ص:۶۳

۳۷۔ بالمشافہ گفتگو

۳۸۔ عطا حسین کلیم

۳۹۔ بالمشافہ گفتگو

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ افضل پرویز: زندہ جاوید شخصیت، ص:۱۰۲

۴۴۔ بالمشافہ گفتگو

۴۵۔ افضل پرویز کے فن موسیقی کے بارے میں از محفوظ کھوکھر مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۱۴۲

۴۶۔ عطا حسین کلیم

۴۷۔ مرزا حامد بیگ، ۹ دسمبر ۱۹۹۱

۴۸۔ افضل پرویز سے گفتگو

۴۹۔ مرزا حامد بیگ

۵۰۔ بالمشافہ گفتگو

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ بالمشافہ گفتگو

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایڈیٹر: خواجہ احمد شریف عیاں ۳۲۔۱۹۳۱ء، سوا سال تک شائع ہوتا رہا۔ انجم رضوانی کے گھر ''انجمستان'' سے شائع ہوتا تھا۔

۵۵۔ بالمشافہ گفتگو

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ میں آرٹ نال عشق کیتا از تنویر ظہور مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن: ص ۱۱۲

۵۸۔ افضل پرویز سے بالمشافہ گفتگو

۵۹۔ ایک غیر مطبوعہ غزل کا مقطع
۶۰۔ غم روزگار کے، ص: ۱۳۰
۶۱۔ ایضاً
۶۲۔ بالمشافہ گفتگو
۶۳۔ ایضاً
۶۴۔ بن پھلواری، ص: ۴۵
۶۵۔ غم روزگار کے، ص: ۱۹۳
۶۶۔ ایضاً
۶۷۔ غیر مطبوعہ نظم جو ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء کو سانحہ اوجڑی کیمپ کے حوالے سے لکھی گئی۔
۶۸۔ مقالہ نگار سے بالمشافہ گفتگو، ۲۰ اگست ۱۹۹۱ء
۶۹۔ جمیل ملک "سہ روزہ بنجارہ"، "غم روزگار کے" از افضل پرویز، مکتبہ خرابات، راول پنڈی ۱۹۷۵ء، ص: ۲۶،۲۵
۷۰۔ محمد حسین چوہان، "راول پنڈی اسلام آباد کے جدید اردو غزل گو شعرا" مقالہ برائے ایم۔اے اردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور ۱۹۸۹ء، ص: ۲۳۰
۷۱۔ انیس ناگی، "تنقیدِ شعر"، سنگِ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۷ء، ص: ۴۷
۷۲۔ سجاد باقر رضوی، "مغرب کے تنقیدی اصول" اظہار سنز طبع دوم ۱۹۷۱ء، ص: ۲۲۰
۷۳۔ جمیلہ شاہین، "کہی ان کہی" دیباچہ "غم روزگار کے"، ص: ۳۳
۷۴۔ ایمر وکرومی، "اصول تنقید" جماعت اسلام پریس، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص: ۸
۷۵۔ جمیل ملک، "شہ زور بنجارہ"، "غم روزگار کے" از افضل پرویز: مکتبہ خرابات، راول پنڈی ۱۹۷۵ء، ص: ۳۰
۷۶۔ ایضاً، ص: ۱۱
۷۷۔ Afzal Pervez's Urdu Verse "Pakistan Times" 28 June 1985
۷۸۔ محسن علی عابدی، سید "حلقہ ارباب ذوق، راول پنڈی" تحقیقی مقالہ برائے ایم۔اے اردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور: ۱۹۸۸ء، ص: ۱۳۷

۷۹۔ Afzal Pervez's Urdu Verse "Pakistan Times" 28 June 1985

۸۰۔ افضل پرویز، ''بن پھلواری''، پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس: پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء، ص:۲۲

۸۱۔ جمیلہ شاہین، ''کہی ان کہی'' ''پیش لفظ'' ''غم روزگار کے'' از افضل پرویز، ص:۳۵

۸۲۔ ضمیر جعفری، سید ''اردو کی پہلی راول رویل کتاب'' روزنامہ جنگ، راول پنڈی ۸ جولائی ۱۹۸۶ء

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ روزنامہ ''امروز'' لاہور: ۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء

۸۵۔ قریشی احمد حسین احمد قلعداری' پنجابی ادب کی مختصر تاریخ' میری لائبریری، لاہور: ۱۹۶۴ء

۸۶۔ روزنامہ ''آزاد'' لاہور ۷ اگست ۱۹۷۱ء

۸۷۔ افضل پرویز ''بن پھلواری'' پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس، پہلا ایڈیشن: ۱۹۷۳ء، ص:۲۰

۸۸۔ شریف کنجاہی، ''پیش لفظ''، ''نگراں دی چھاں' از افضل پرویز، مکتبہ خرابات، راول پنڈی ۱۹۷۴ء

۸۹۔ محسن علی عابدی سید، ''حلقہ ارباب ذوق راول پنڈی، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے اردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور: ص ۷

۹۰۔ روزنامہ ''مشرق'' لاہور، ۲۳ ستمبر ۱۹۷۱ء

۹۱۔ طارق جلیل ''چھ پہل ہیرا''، ''نگراں دی چھاں''، ص:۲۰

۹۲۔ سجاد باقر رضوی، 'مغرب کے تنقیدی اصول'، اظہار سنز، لاہور، طبع دوم ۱۹۷۱ء، ص:۱۲۳

۹۳۔ افضل پرویز ''نگراں دی چھاں''، ص:۱۲

۹۴۔ افضل پرویز، ''کھانے دا سودا''، ''بجری چھاں'' از جمیل ملک، نوید پبلی کیشنز، راول پنڈی، سن ندارد، ص:۱۷

۹۵۔ ''شہ زور بنجارہ'' از جمیل ملک، دیباچہ ''غم روزگار کے''، ص:۲۹

۹۶۔ ایضاً، ص:۳۰

۹۷۔ انٹرویو: ۱۱۸ اگست ۱۹۹۱ء

۹۸۔ چنی کی شادی، افضل پرویز، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، اگست ۱۹۸۰ء، ص:۳

۹۹۔ منفرد خاکہ نگاری، جمیل جالبی مشمولہ اردو ادب بیسویں صدی میں مرتبہ پروفیسر حق نواز،
لاہور: ملک احمد پرنٹرز: ۱۹۸۸ء، ص: ۲۸۹

۱۰۰۔ ''بن پھلواری'' افضل پرویز، ص: ۲۱۔۲۲

۱۰۱۔ ابتدائیہ از احمد سلیم، بن پھلواری، ص: ۱۶

۱۰۲۔ بن پھلواری، ص: ۲۵

۱۰۳۔ ایضاً، ص: ۲۶

۱۰۴۔ ایضاً، ص: ۲۷

۱۰۵۔ A Note on Jugni, Fine Arts Theatre Fafi Marge, New Delhi Winter 1978

۱۰۶۔ بن پھلواری، ص: ۲۵۔۲۶

۱۰۷۔ ایضاً، ص: ۳۶

۱۰۸۔ ایضاً، ص: ۳۰

۱۰۹۔ نوا ہائے راز از افضل پرویز، اسلام آباد، ادارہ ثقافت پاکستان: جولائی ۱۹۸۳ء، ص: ۱۰

۱۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۱

۱۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۳

۱۱۲۔ ''چٹھیاں'' مرتبہ افضل پرویز، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۰ء، ص: ۱۷

۱۱۳۔ ایضاً، ص: ۲۰

۱۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۳

۱۱۵۔ ایضاً، ص: ۵

۱۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۵

۱۱۷۔ لوک تھیٹر، افضل پرویز، اسلام آباد، لوک ورثہ اشاعت گھر: ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱

۱۱۸۔ ایضاً، ص: ۹

۱۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۰

۱۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۱

۱۲۱۔ پوٹھوہار، ن جمیل، راولپنڈی لاہور: علمی پرنٹنگ پریس، سن ندارد، ص: ۳۷

۱۲۲۔ ''کہندا سائیں'' از افضل پرویز: لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۸ء، ص:۹

۱۲۳۔ ایضاً، ص:۱۰

۱۲۴۔ ایضاً، ص:۱۱

۱۲۵۔ ایضاً، ص:۵۲

۱۲۶۔ ایضاً، ص:۱۹

۱۲۷۔ ایضاً، ص:۲۰

۱۲۸۔ ککراں دی چھاں از افضل پرویز، ص:۱۰

۱۲۹۔ انٹرویو ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء

۱۳۰۔ افضل پرویز: بابائے ثقافت پوٹھوہار، فخر عالم نعمانی مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۱۲۵

۱۳۱۔ ایضاً، ص:۱۲۶

۱۳۲۔ محمد صادق ''بیاد رفتگاں'' مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۱۳، ۱۳۱، ۱۳۲

۱۳۳۔ روشنائی، لاہور، مکتبہ اردو، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۳ء، ص:۳۳۱

۱۳۴۔ اردو کی پہلی راول رویل کتاب، روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۸ جولائی ۱۹۸۶ء

۱۳۵۔ ''اُگھڑویں رُوپ'' تبصرہ ککراں دی چھاں'' مشمولہ ''افضل پرویز: شخصیت اور فن'' مرتبہ فاروق امجد پرویز، راولپنڈی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء، ص:۲۵

۱۳۶۔ شعر و موسیقی کا سب سے بڑا خزینہ: افضل پرویز، مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۲۷

۱۳۷۔ شہ زور بنجارہ، دیباچہ ''غم روزگار کے'' مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۲۹۔۳۰

۱۳۸۔ بیابندہ، مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۵۰

۱۳۹۔ افضل پرویز: ایک نظریاتی ادیب، مشمولہ ایضاً، ص:۵۳

۱۴۰۔ ہماری ناقدری کا شاہکار: افضل پرویز، مشمولہ ایضاً، ص:۵۹

۱۴۱۔ پوٹھوہار کی مشترکہ میراث کا امین: افضل پرویز، ایضاً، ص:۶۰، ۶۱، ۶۳

۱۴۲۔ خطۂ پوٹھوہار کا عظیم شاعر: افضل پرویز، مشمولہ ایضاً، ص:۹۹۔۱۰۰

۱۴۳۔ افضل بھی ہے پرویز بھی، ابتدائیہ، افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۶

۱۴۴۔ افضل پرویز زندہ جاوید شخصیت، مشمولہ ایضاً، ص:۱۰۱

۱۴۵۔ خلیفہ، مشمولہ ایضاً، ص:۷۲

۱۴۶۔ افضل پرویز، مشمولہ ایضاً، ص:۸۰

۱۴۷۔ افضل پرویز اور خطۂ پوٹھوہار، مشمولہ ایضاً، ص:۹۷

۱۴۸۔ چھ پہل ہیرا، مشمولہ ایضاً، ص:۹۳

۱۴۹۔ کبی ان کبی، پیش لفظ "غم روزگار کے"، راول پنڈی، مکتبہ خرابات ۱۹۷۵ء، ص:۳۴

۱۵۰۔ بنیئے بھیتر روگ مشمولہ افضل پرویز: شخصیت اور فن، ص:۱۰۷۔۱۰۸

۱۵۱۔ تحریری انٹرویو ۹ دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۵۲۔ "کچھ اپنے بارے میں" "ابتدائیہ" "پارہ پارہ" از انجم رضوانی K-65 "انجستان"، راولپنڈی ۱۹۸۰ء

۱۵۳۔ قاضی طارق محمود، مضمون قاضی افضل پرویز مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۵۱

۱۵۴۔ گاؤں گاؤں پھرا بنجارہ از افضل پرویز ابتدائیہ "بن پھلواری"، ص:۲۵

۱۵۵۔ طارق جلیل دیباچہ لگراں دی چھاں از افضل پرویز، راولپنڈی: جنگ پرنٹنگ پریس: طبع اول ۱۹۷۲ء، ص:۱۳

۱۵۶۔ زاہد حسن چغتائی "نقشوں کے شہر میں اک دیے کی روشنی" مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۱۹

۱۵۷۔ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۷۴

۱۵۸۔ "سائیں کا فن اور فکر" از افضل پرویز، مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۸۱

۱۵۹۔ فاروق امجد پرویز سے گفتگو، ۳۰ مئی ۲۰۰۸ء

۱۶۰۔ بشیر حسین ناظم سے گفتگو، بمقام اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد: ۲۹ مئی ۲۰۰۸ء

۱۶۱۔ سید ضمیر جعفری "سورج کے پیچھے" (سفرنامہ)، ص:۹۲، ۹۳، ۹۵

۱۶۲۔ فاروق امجد پرویز سے گفتگو

۱۶۳۔ ایضاً، ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء

۱۶۴۔ شہباز علی "سُر سنسار"، راولپنڈی: ایس ٹی پرنٹرز: اشاعت دوم: اگست ۲۰۰۷ء، ص:۸۷

۱۶۵۔ ایضاً، ص:۱۱۶

۱۶۶۔ قاضی فاروق امجد پرویز، ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء

۱۶۷۔ شہباز علی "نثر سنسار" ص:۱۷۹

۱۶۸۔ عطا حسین کلیم انٹرویو، ۱۱۸ اگست ۱۹۹۱ء

۱۶۹۔ کہندا سائیں از افضل پرویز، لاہور، پنجابی ادبی بورڈ: طبع دوم: ۱۹۹۲ء، ص:۶۳

۱۷۰۔ محمد صادق بیادر فنکار مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن: ص:۱۲۸

۱۷۱۔ شفقت تنویر مرزا، ڈان، لاہور: ۱۳ مارچ ۲۰۰۵ء

۱۷۲۔ قاضی فاروق امجد پرویز سے گفتگو: ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء

۱۷۳۔ افضل پرویز "سمان مٹی اور استاد بھیجا" سالنامہ نیرنگ خیال، راولپنڈی ۲۰۰۵ء، ص:۶۳۵

۱۷۴۔ افضل پرویز سے گفتگو، اگست ۱۹۹۱ء

۱۷۵۔ غیر مطبوعہ نظم

۱۷۶۔ فاروق امجد پرویز سے گفتگو

۱۷۷۔ افضل پرویز، علامہ مشرقی اور خاکسار تحریک مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۹۱۲، ۱۹۳

۱۷۸۔ کہندا سائیں از افضل پرویز سے استفادہ کیا گیا

۱۷۹۔ ایضاً، ص:۶۵

۱۸۰۔ خط گوربچن سنگھ بھوئی، لندن بنام: افضل پرویز محررہ ۱۴ جولائی ۱۹۹۷ء

۱۸۱۔ فاروق امجد پرویز سے گفتگو، ۳۰ مئی ۲۰۰۸ء

۱۸۲۔ خط بنام فاروق امجد پرویز، ۱۲۸ اپریل ۲۰۰۵ء

۱۸۳۔ فاروق امجد پرویز سے گفتگو، ۳۰ مئی ۲۰۰۸ء

۱۸۴۔ پنجابی شاعر دنا از افضل پرویز مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۸۲، ۱۸۳

۱۸۵۔ ایضاً، ص:۱۸۴

۱۸۶۔ فاروق امجد پرویز

۱۸۷۔ میرا پاکستانی سفرنامہ از بلراج ساہنی، لاہور، سارنگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص:۱۲۷

۱۸۸۔ افضل پرویز پوٹھوہار کا نابغہ از رشید نثار مطبوعہ فیض الاسلام، مارچ ۲۰۰۱ء، ص:۳۲

۱۸۹۔ "میں لبھنے لال گواچے" شفقت تنویر مرزا مشمولہ افضل پرویز شخصیت اور فن، ص:۱۵۸

۱۹۰۔ فضل الٰہی بہار سے گفتگو، ۲۹ مئی ۲۰۰۸ء

۱۹۱۔ ایضاً

۱۹۲۔ ایضاً

۱۹۳۔ افضل پرویز: شخصیت اورفن از راجا شکیل انجم: تحقیقی وتنقیدی مقالہ برائے ایم اے اردو، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء،ص:٦٦

۱۹۴۔ افضل پرویز خطۂ پوٹھوہار کی ناقابل فراموش ادبی شخصیت مشمولہ افضل پرویز شخصیت اورفن،ص:۱۲۲

۱۹۵۔ فضل الٰہی بہار

۱۹۶۔ ایضاً

۱۹۷۔ ایضاً

۱۹۸۔ افضل پرویز بھول بیٹھا الجھنوں کی شام میں از طارق شاہد مشمولہ افضل پرویز شخصیت اورفن،ص:۱۴۱

۱۹۹۔ افضل پرویز۔ بابائے ثقافت پوٹھوہار از فخر عالم نعمانی مشمولہ افضل پرویز شخصیت اورفن، ص:۱۲۵،۱۲٦

۲۰۰۔ شمیم متھراوی، ''قومی زبان''، کراچی: فروری ۲۰۰۲،ص:۱۱۷

۲۰۱۔ افضل پرویز شخصیت اورفن،ص:۲۰۵تا۲۱۱

۲۰۲۔ غیرمطبوعہ

۲۰۳۔ غیرمطبوعہ ''کمراں وی چھاں'' کی تعارفی تقریب میں ۱۲اکتوبر ۱۹۷۱ء کو پڑھی گئی

کتابیات

بنیادی مآخذ

۱۔ بن پھلواری: اسلام آباد، نیشنل کونسل آف آرٹس: ۱۹۷۳ء

۲۔ جگنی اور راول: لاہور، علمی پرنٹنگ پریس

۳۔ چڑی کی شادی: لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ: ۱۹۸۰ء

۴۔ چھٹیاں: لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ: ۱۹۸۰ء

۵۔ غم روزگار کے: (اردو غزل، نظم، گیت، دوہا) راول پنڈی، مکتبہ خرابات: ۱۹۷۵ء

۶۔ نگراں دی چھاں: (پنجابی شاعری)، راول پنڈی: مکتبہ خرابات: طبع اول: ۱۹۷۲ء

۷۔ کہند اسائیں: (پنجابی نثر)، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ: ۱۹۷۸ء

۸۔ لوک تھیٹر: اسلام آباد، لوک ورثہ اشاعت گھر: ۱۹۸۸ء

۹۔ نواہائے راز: ایضاً، ۱۹۸۳ء

ثانوی مآخذ

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر: اردو ادب کی تحریکیں: کراچی، انجمن ترقی ادب: ۱۹۸۶ء

۲۔ انیس ناگی: تنقید شعر: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز: ۱۹۸۷ء

۳۔ ایمبر وکرومبی: اصول تنقید: کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ: ۱۹۳۶ء

۴۔ جمیل جالبی مرتبہ: اردو ادب بیسویں صدی میں: لاہور، ایم ایس پرنٹرز: ۱۹۸۸ء

۵۔ جمیل ملک: ہجری چھاں: راول پنڈی، نوید پبلشرز: سن ندارد

۶۔ رام بابو سکسینہ: تاریخ ادب اردو: لاہور، علمی کتاب خانہ: جدید ایڈیشن ۱۹۸۵ء

۷۔ سجاد باقر رضوی: مغرب کے تنقیدی اصول: لاہور، اظہار سنز: طبع دوم ۱۹۷۱ء

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: تنقیدی دبستان: لاہور، مکتبۂ عالیہ: ۱۹۸۵ء
۹۔ سجاد ظہیر: روشنائی، لاہور، مکتبہ اردو: دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۴ء
۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: تنقیدی دبستان: لاہور، مکتبۂ عالیہ: ۱۹۸۵ء
۱۱۔ ظہیر کاشمیری: ادب کے مادی نظریے: لاہور، نامی پریس: بار دوم ۱۹۷۵ء
۱۲۔ عبدالقادر سروری: جدید اردو شاعری: لاہور، کتاب منزل: ۱۹۴۵ء
۱۳۔ فاروق امجد پرویز مرتب/ افضل پرویز: شخصیت اور فن، راول پنڈی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز: ۲۰۰۵ء
۱۴۔ قریشی احمد حسین احمد قلعداری: پنجابی ادب کی مختصر تاریخ: لاہور، میری لائبریری: ۱۹۶۴ء
۱۵۔ محسن علی عابدی، سید: حلقہ ارباب ذوق، راولپنڈی: لاہور، پنجاب یونیورسٹی: ۱۹۸۸ء، (غیر مطبوعہ)
۱۶۔ محمد حسین، ڈاکٹر: جدید اردو ادب: کراچی، غضنفر اکیڈمی پاکستان: سن ندارد
۱۷۔ محمد حسین چوہان: راولپنڈی اسلام آباد کے جدید غزل گو شعرا: لاہور، پنجاب یونیورسٹی: ۱۹۸۹ء، (غیر مطبوعہ)
۱۸۔ یونس جاوید: حلقہ ارباب ذوق: لاہور، مجلس ترقی ادب: طبع اول ۱۹۸۴ء

رسائل واخبارات

۱۔ ادبیات سہ ماہی، اسلام آباد: اکتوبر ۱۹۸۹ء
۲۔ ادبیات سہ ماہی، اسلام آباد: جون ۱۹۹۰ء
۳۔ انٹرنیشنل فوک لور جرنل (شمارہ ۱) پشاور: اگست۔ ستمبر ۱۹۷۳ء
۴۔ اوراق (خاص نمبر) لاہور: جولائی۔ اگست ۱۹۸۱ء
۵۔ اورنگ پاکستانی ادب (گولڈن جوبلی نمبر) راولپنڈی گورنمنٹ کالج سیٹلائیٹ ٹاؤن ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۰ء
۶۔ فیض الاسلام، راول پنڈی: مارچ ۲۰۰۱ء
۷۔ گورڈونین، راولپنڈی گورڈن کالج: ۲۰۰۷ء
۸۔ ماہ نو (چالیس سالہ مخزن، جلد اول و دوم) لاہور، ادارہ مطبوعات پاکستان
۹۔ نیرنگ خیال (سال نامہ) راول پنڈی، جولائی ۲۰۰۵ء
۱۰۔ روزنامہ آزاد، لاہور: ۱۲راگست ۱۹۷۱ء

۱۱۔ روزنامہ آزاد، لاہور: ۱۱راگست ۱۹۷۶ء
۱۲۔ روزنامہ امروز، لاہور: ۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء
۱۳۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز: ۲۸ جون ۱۹۷۵ء
۱۴۔ روزنامہ جنگ، راول پنڈی: ۸ جولائی ۱۹۷۶ء
۱۵۔ روزنامہ جنگ، راول پنڈی: ۱۱ جولائی ۱۹۷۶ء
۱۶۔ روزنامہ مشرق، لاہور: ۲۳ ستمبر ۱۹۷۱ء
۱۷۔ روزنامہ نوائے وقت، اسلام آباد: ۲۱ فروری ۲۰۰۶ء

انٹرویوز

۱۔ افضل پرویز: ۲۰ اگست ۱۹۹۱ء
۲۔ انجم رضوانی: ۱۷ اگست ۱۹۹۱ء
۳۔ جمیل ملک: ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء
۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر: ۱۲ دسمبر ۱۹۹۱ء
۵۔ عطا حسین کلیم: ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء
۶۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر: ۹ دسمبر ۱۹۹۱ء
۷۔ یوسف حسن: ۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ء

ملاقات

راقم الحروف سے گفتگو: بہ مقام ۱۸۰ کمیٹی محلہ، راولپنڈی: ۱۷، ۱۸، ۱۹ راگست ۱۹۹۱ء